کارکنوں کے باہمی تعلقات

خرم مراد

کارکنوں کے
باہمی تعلّقات

خرّم مُرَاد

ادارہ مطبُوعاتِ طلبہ
۱-اے ذیلدار پارک اچھرہ لاہور

فہرست مضامین

☆	دیباچہ	۸
☆	اسلامی تحریک کے کارکنوں کے باہمی تعلقات	۱۳
☆	سیرت کی بنیادی خصوصیات	۲۶
☆	خیر خواہی	۲۶
☆	ایثار	۲۸
☆	عدل	۳۱
☆	احسان	۳۲
☆	رحمت	۳۳
☆	عفو	۳۷
☆	اعتماد	۴۱
☆	قدر و قیمت کا احساس	۴۱
☆	حقوق میں دست درازی	۴۱
☆	جسم و جان کا تحفظ	۴۴
☆	بدکلامی اور برا بھلا کہنا	۴۶

☆	غیبت	۴۷
☆	چغل خوری	۴۷
☆	عار دلانا	۴۹
☆	تجسس	۵۰
☆	تمسخر	۵۰
☆	حقیر سمجھنا	۵۲
☆	بدظنی	۵۳
☆	بہتان	۵۵
☆	ضرر رسانی	۵۶
☆	دل آزاری	۵۶
☆	فریب دہی	۵۹
☆	حسد	۵۹
☆	عزت و آبرو کا تحفظ	۶۱
☆	دکھ درد میں شرکت	۶۹
☆	احتساب و نصیحت	۷۰
☆	ملاقات	۷۲
☆	عیادت	۷۵
☆	اظہار جذبات	۷۸

☆ محبت اور خوش اخلاقی سے ملاقات کرنا ۸۳
☆ سلام ۸۴
☆ مصافحہ ۸۶
☆ اچھے نام سے یاد کرنا ۸۷
☆ شخصی اور ذاتی امور میں دلچسپی لینا ۸۸
☆ ہدیہ ۸۸
☆ شکر گزاری ۹۰
☆ ساتھ مل کر کھانا ۹۰
☆ دعا ۹۱
☆ بہتر طریقہ سے جواب دینا ۹۳
☆ صلح کرنا اور شکایت دور کرنا ۹۴
☆ تتمہ ۱۰۲

☆ .... ○ .... ☆

دیباچہ

تاریخ کے مطالعہ سے یہ حقیقت الم نشرح ہوجاتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے انسانی معاشرہ کی ہمیشہ نئی شیرازہ بندی کی ہے۔ انہوں نے ایک بنیادی دعوت کی طرف انسانوں کو پکارا اور اس دعوت پر لبیک کہنے والوں کو ایک نئے اتحاد میں جوڑ دیا۔ وہ انسان جو مختلف گروہوں قبیلوں اور عصبیتوں میں بٹے ہوئے تھے، جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے اور عزت کے دشمن تھے، اس دعوت کی وجہ سے ایک دوسرے کے بھائی اور ایک دوسرے کی عزت کے محافظ بن گئے۔ اس اتحاد سے ایک نئی قوت رونما ہوئی اور "رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" کے پیکر سب سے بڑے تاریخ ساز اور تہذیب گر بن گئے۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف قرآن اپنے بلیغ انداز میں اشارہ کرتا ہے کہ:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْھَا (آل عمران ۱۰۳)

ترجمہ: اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم آپس میں شدید دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم اس کی عنایت و مہربانی سے بھائی بھائی ہوگئے۔ (بے شک) تم آگ کے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے۔ پس اس نے تم کو اس سے نجات دی اور تباہی سے بچالیا)۔

انبیاء علیہم السلام نے انسانوں کو اسی بات کی دعوت دی ہے کہ:

اِعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران)

اللہ کی رسی کو مضبوط تھام لو (مجتمع ہو جاؤ) اور پھوٹ نہ ڈالو۔"

اسلام کی یہ اجتماعیت محض خارج کی اجتماعیت نہیں بلکہ دلوں کی اجتماعیت ہے۔ اسلام محض قانونی اتحاد کو اتحاد نہیں سمجھتا' وہ اس بیرونی اتحاد کی بنیاد انسانی قلوب میں رکھتا ہے۔ اس کی اصل عقیدہ اور نظریہ کا اتحاد' امنگوں اور تمناؤں کا اتحاد' عزائم اور جذبات کا اتحاد ہے۔ وہ خارج میں بھی سب کو ایک شیرازہ میں منسلک کرتا ہے اور داخلی طور پر بھی ان کو اخوت اور برادری کے رشتہ میں جوڑ دیتا ہے اور حق یہ ہے کہ سچا اتحاد اسی وقت رونما ہوتا ہے جب یہ دونوں کیفیتیں پوری ہوں' مصنوعی اتحاد کبھی دیرپا نہیں ہوتا۔ نفرت اور بغض سے بھرے ہوئے دل کبھی جڑ نہیں سکتے۔ جھوٹا رکھ رکھاؤ کوئی اتحاد پیدا نہیں کر سکتا۔ خود غرضانہ اتحاد' انتشار اور افتراق کا پیش خیمہ ہوتا ہے اور محض قانونی بندھن کسی حقیقی ملاپ اور رفاقت کی بنیاد نہیں بن سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اجتماعیت کی بنیاد ایمان' محبت اور ایثار پر رکھی ہے۔ اس بنیاد پر استوار ہونیوالے تعلقات وہ آہنی چٹان ہوتے ہیں جس سے ٹکرا کر بڑے بڑے طوفان بھی صرف اپنا سر ہی پھوڑ سکتے ہیں' اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

پھر ان بنیادوں پر وہ معاشرہ استوار ہوتا ہے جس میں تنازع للبقا کی جگہ تعاون و اشتراک عمل رونما ہوتا ہے جہاں ہر شخص دوسرے کا سہارا ہوتا ہے اور ہر فرد دوسرے کا معاون اور مددگار۔ جہاں گرتے ہوئے کو گرنے نہیں دیا جاتا بلکہ بیسیوں ہاتھ اس کی مدد کے لئے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ اور جہاں پیچھے رہنے والوں کو چھوڑ نہیں دیا جاتا بلکہ سہارا دے کر آگے بڑھایا جاتا ہے۔ یہ معاشرہ فرد کو مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لائق بناتا ہے اور گرتوں کو تھامنے کا کام انجام دیتا ہے۔

تحریک اسلامی کے کارکنوں کے لئے یہ امر بنیادی اہمیت رکھتا ہے کہ وہ ان بنیادوں کو خوب اچھی طرح سمجھ لیں جن پر اسلام اجتماعی تعلقات کو استوار کرتا ہے اور پھر اپنی

قوتوں کو اس مقصد کے حصول کے لئے استعمال کریں۔

ہمارے محترم دوست اور عزیز بھائی خرم جاہ مراد نے تحریک اسلامی کے کارکنوں کی اسی بنیادی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے یہ رسالہ مرتب کیا ہے۔ خرم صاحب ملک کے ان چند نوجوانوں میں سے ہیں جنہوں نے مغربی تعلیم کے باوجود دینی علم کے حصول کی نمایاں کوشش کی اور قابل رشک کامیابی حاصل کی۔ اگر پھول اپنی خوشبو سے پہچانا جاتا ہے تو ان کی تالیف ہمیں ان کی فکر اور مزاج کو سمجھنے میں بڑی مدد دیتی ہے۔

دراصل زیر بحث مسئلے کے تین پہلو ہیں:

اول:

اسلام اس اجتماعی زندگی کو برپا کرنے اور قائم رکھنے کے لئے فرد کی سیرت میں کن بنیادی خصوصیات کو جلوہ گر دیکھنا چاہتا ہے؟

دوم:

ان بنیادوں کو منہدم کرنے والی اور ان کو کمزور کرنے والی چیزیں کونسی ہیں تاکہ ان سے بچا جائے؟

سوم:

ان بنیادوں کو مضبوط کرنے والی اور ان کو ترقی دینے والی صفات کونسی ہیں تاکہ انھیں اختیار کیا جائے؟

مصنف محترم نے انہی تین سوالات کے جواب نہایت شرح وبسط کے ساتھ دیئے ہیں اور مجھے توقع ہے کہ اگر تحریک اسلامی کے کارکن ان کو پورے غور سے پڑھیں اور ان کو اختیار کرنے کی کوشش کریں تو وہ اپنی اجتماعی زندگی کو ایمان، محبت اور ایثار کے ان

پھولوں سے آراستہ کرلیں گے جو گلشن حیات کو آشنائے بہار کرتے ہیں۔

اس کتاب کے استفادہ کے سلسلہ میں ایک بات رفقاء کے پیش نظر رہے، تمام چیزیں انسان فوراً ہی حاصل نہیں کر سکتا۔ تعمیر سیرت کے منصوبہ کی پوری اسکیم کو سمجھ لینے کے بعد ہمیں چاہئے کہ ایک ایک چیز لیں، اسے خوب ذہن نشین کرلیں اور پھر اسے اختیار کرنے کی کوشش کریں اور اسی طرح ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری چیز لیتے جائیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ آپ نے سورہ بقرہ سات آٹھ سال میں مطالعہ کی تھی۔ جب آپ سے استفسار کیا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ میں ایک چیز کو پڑھتا ہوں اس کو اختیار کرتا ہوں اور پھر آگے بڑھتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ تعمیر سیرت کے لئے ایک تدریجی مسلسل اور انتھک کوشش کی ضرورت ہوتی ہے۔ محض مطالعہ اس کے لئے کافی نہیں۔ یہ مقصد تو پیہم سعی و جہد سے حاصل ہوگا۔ پھر خوب یاد رکھئے کہ یہ راہ نشیب و فراز کی راہ ہے اور کامیابی کا راز ہمت اور اعتماد کے ساتھ جدوجہد میں مضمر ہے۔ ناکامیاں آئیں گی، مگر ان کا مقابلہ کرنا ہے۔ مشکلات دعوت مبارزت دیں گی، مگر انھیں انگیخت کرنا ہے۔ دقتیں پیش آئیں گی مگر ان سے لڑنا ہے اور ان کو شکست دینا ہے۔ یہ تو اس راہ کے لازمی مراحل ہیں۔ کیا ان سے شکستہ خاطر ہو جائیں؟ ع

جوئے خوں سر سے گذر ہی کیوں نہ جائے
آستان یار سے اٹھ جائیں کیا؟

کراچی ۲۲ جنوری ۵۸ء

خورشید احمد

اسلامی تحریک میں
کارکنوں کے باہمی تعلقات

اسلامی تحریک ایک اجتماعی انقلاب کی داعی ہوتی ہے اس لئے اس کا یہ فریضہ بالکل اولین اہمیت کا حامل ہے کہ وہ اپنے کارکنوں کو عام طور پر تمام انسانوں سے اور خاص طور پر باہم ایک دوسرے کے ساتھ صحیح صحیح بنیادوں پر مربوط کر دے۔ اسلامی تحریک کے کارکنوں کے باہمی تعلقات کو قرآن اس طرح ظاہر کرتا ہے کہ:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (الحجرات۔۱۰)

مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

اگرچہ بظاہر یہ صرف تین الفاظ کا ایک مختصر سا فقرہ ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ باہمی تعلقات کی بنیاد' اصولی حیثیت' اہمیت اور گہرائی ظاہر کرنے کے لئے یہ بالکل کافی ہے اور اس معاملے میں اسے ایک اسلامی تحریک کے چارٹر کی حیثیت دی جاسکتی ہے۔

اس سے ایک طرف تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی تحریک میں افراد کا باہمدگر رشتہ ایک اصولی رشتہ ہوتا ہے۔ یہ عقیدہ اور فکر کی یگانگت کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے اور نصب العین کی یکسانیت اس کی بنیاد بنتی ہے بالفاظ دیگر یہ ایمان کا اشتراک ہوتا ہے جو اس میں رنگ بھرتا ہے ---- نیز اصولی رشتہ ہونے کی بنا پر یہ کوئی روکھا سوکھا رشتہ نہیں ہوتا بلکہ اس میں استحکام' گہرائی اور شدید محبت سموئی ہوتی ہے۔ اس کو صرف دو بھائیوں کا باہمی تعلق ہی ظاہر کرسکتا ہے اور یہی تعلق ہے جو اخوت کہلاتا ہے۔ ایک اصولی رشتے کی

اسلام جو وسعت و استحکام اور جذبات بخشتا ہے اس کی ترجمانی کے لئے "اخوۃ" سے بہتر اور کیا لفظ ہو سکتا ہے؟

اسلامی تہذیب میں ایمان کا تصور صرف اتنا ہی نہیں کہ انسان چند مابعد الطبعی حقائق کا اقرار کرلے اور بس۔ بلکہ یہ ایک ہمہ گیر حیثیت کا حامل ہے یہ ایک عقیدہ ہے جو قلب پر چھا جاتا ہے اور رگوں میں خون کی طرح گردش کرنے لگتا ہے۔ یہ ایک جذبہ ہے جو سینہ کو مضطرب و متلاطم رکھتا ہے' ایک فکر ہے جو ذہن و دماغ کا سانچہ ہی بدل دیتا ہے۔ ایک عملی نظام کی قوت نافذہ ہے جو تمام اعضاء و جوارح کو اپنے تسلط میں لے کر پوری انفرادی اور اجتماعی زندگی میں انقلاب لے آتی ہے۔ جو ایمان اتنا وسیع الاثر ہو اس کی گرفت سے انسانوں کے باہمی تعلقات کس طرح آزاد ہو سکتے ہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ پوری زندگی' سوائے ایک بہت معمولی جزو کے' عبارت ہے انسان اور انسان کے باہمی تعلقات سے' اس لئے یہ ایمان اپنے ماننے والوں کو تمام انسانوں سے عموماً اور ایک دوسرے سے خصوصاً تعلقات قائم کرنے کی ہدایت کرتا ہے اور پھر ایک طرف ان تعلقات کو عدل و احسان کی بنیاد پر قائم کرنے کے لئے وہ ایک اجتماعی نظام حیات اور ایک تہذیب کی صورت گری کرتا ہے اور دوسری طرف حقوق و فرائض پر مشتمل ایک ضابطہ تجویز کر کے دیتا ہے تاکہ ہر فرد اپنے اپنے مقام پر اس کو عمل میں لائے اور اس طرح جو لوگ رشتہ ایمان میں منسلک ہوں وہ ایک دوسرے سے اس طرح جڑ جائیں جیسے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ سے جڑ جاتی ہیں' جس طرح ایک بھائی دوسرے بھائی سے جڑا ہوتا ہے اور یہ اس ایمان کی اصولی حیثیت کا لازمی تقاضا ہے جس کے لئے انسانی فطرت مطالبہ کرتی ہے اور جس پر عقل شہادت دیتی ہے۔

جو لوگ ہر رنگ اتار کر صرف اللہ کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں' تمام الہٰ ... کر کے صرف اللہ کی اطاعت کرتے ہیں۔ ہر باطل سے کٹ کر صرف حق سے جڑ

جاتے ہیں اور صرف اللہ کے لئے یکسو ہو جاتے ہیں وہ بھی اگر ایک "سرے سے مربوط نہ ہوں گے، متفق نہ ہوں گے اور محبت کے تعلقات قائم نہ کریں گے تو پھر کون کرے گا؟ نصب العین کے لئے یکسوئی سے زیادہ بڑی کون سی قوت ہے جو انسان کو انسان سے جوڑ سکتی ہو؟ اس یکسوئی کا ایک ایک تقاضا اور راہ حق کی ایک ایک منزل اس تعلق کو ایک زندہ حقیقت میں تبدیل کرتی چلی جاتی ہے۔ جو آدمی صرف حق کے لئے خود کو وقف کر دے وہ اس راہ پر چلنے والوں میں سے ایک ایک کی محبت، ہمدردی، تسلی اور سہارے کا ضرورت مند اور محتاج ہوتا ہے۔ اگر اس راستے پر اسے یہ نعمت بھی نہ ملے تو یہ اتنی بڑی کمی ہوگی جس کی تلافی کسی طرح بھی ممکن نہ ہوگی۔

اس دنیا میں ایمان کا اصل مقصد یعنی عالم گیر اسلامی انقلاب اور اسلامی تہذیب کا قیام خود ایک انتہائی مستحکم اور برادرانہ تعلق کا تقاضا کرتا ہے اس مقصد کا حصول کوئی آسان کام نہیں۔ یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنے کے مترادف ہے، جہاں قدم قدم پر مصائب کی آندھیاں اٹھتی ہیں اور آزمائشوں کے سیلاب آتے ہیں۔ ظاہر ہے اس گراں بار ذمہ داری کی ادائیگی کے لئے ایک ایک فرد کی رفاقت انتہائی قیمتی ہے جس کا فقدان کسی قیمت پر برداشت نہیں کیا جاسکتا، خصوصاً جب کہ یہ بھی معلوم ہو کہ قلت اعوان و انصار اس راہ کا ایک کلیہ ہے۔ پھر کوئی اجتماعی انقلاب بغیر ایک منظم طاقت و جماعت کے ظہور پذیر نہیں ہو سکتا اور ایک منظم اور طاقت ور جماعت اس وقت وجود میں آتی ہے جب اس کے افراد ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہوں جب ہی اس مقصد کے لئے اتنے منظم طریقے پر جدوجہد کی جاسکتی ہے جیسے کوئی سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہو "کَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ۔" (الصف۔ ۴) جس میں کسی رخنہ اور انتشار کو راہ نہ ملے اور ایسی منظم جدوجہد ہی کامیابی کی ضامن ہے۔

"اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران میں ایک نوزائیدہ اسلامی ریاست کے چلانے

والوں کو اس ربط کی ہدایت اس طرح کی ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ، اٰمَنُوْا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ
(آل عمران ۲۰۰)

اے ایمان والو! صبر سے کام لو، باطل پرستوں کے مقابلہ میں پامردی دکھاؤ۔ حق کی خدمت کے لئے کمربستہ رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ امید ہے کہ فلاح پاؤ گے۔"

سورہ انفال کے آخر میں اسلامی انقلاب کی تکمیل کے لئے مسلمانوں کے باہمی تعلقات کو ایک لازمی شرط کے طور پر سامنے رکھا گیا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ جو لوگ اس دین پر ایمان لائیں اس کی خاطر ہرچیز ترک کر دیں اور اس جدوجہد میں سردھڑ کی بازی لگا دیں۔ ان کا رشتہ ایک دوسرے کے ساتھ لازماً دوستی و محبت کا رشتہ ہے اور اس رشتے کے لئے یہاں ولایت کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِکَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ - (انفال ۷۲)

جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنی جانیں لڑائیں اور اپنے مال کھپائے اور جن لوگوں نے ہجرت کرنے والوں کو جگہ دی اور ان کی مدد کی وہی دراصل ایک دوسرے کے ولی ہیں۔

اور اس سے آگے چل کر کفار کی تنظیم اشتراک اور ان کی جماعتی قوت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ اگر مسلمانوں نے یہ رشتہ ولایت پیدا نہ کیا تو عدل و احسان اور خدا پرستی کی بنیاد پر ایک عالمگیر اسلامی انقلاب کی تمنا کبھی ٹھوس زمین پر جڑ نہ پکڑ سکے گی اور نتیجۃً خدا کی یہ زمین فتنہ و فساد سے بھر جائے گی کیونکہ مسلمان بغیر اس رشتہ ولایت کے انقلاب کی مخالف طاقتوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ اِلَّا تَفعَلُوْا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِى الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ۔ (انفال ۷۳)

"اور جو لوگ منکر حق ہیں وہ ایک دوسرے کی حمایت کرتے ہیں۔ اگر تم (اہل ایمان) ایک دوسرے کی حمایت نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور بڑا فساد برپا ہو گا۔"

اور ظاہر ہے کہ اسلامی تہذیب کے قیام اور اسلامی انقلاب کے لئے جدوجہد اس ایمان کا اصل معیار ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِى سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا (انفال ۷۴)

جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑے اور اللہ کی راہ میں جدوجہد کی اور جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی وہی سچے مومن ہیں۔

اس سے بیشتر اللہ تعالیٰ نے مخالفین کی تدابیر کے مقابلے میں اپنی نصرت کے وعدہ کے ساتھ جس چیز سے نبی کریم ﷺ کی ڈھارس بندھائی ہے وہ مومنین کی جماعت ہے جس کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے جوڑ دیا اور جو اسلامی انقلاب کی ضمانت ہے۔

هُوَ الَّذِىْ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ (انفال ۶۲)

"وہی تو ہے جس نے اپنی مدد سے اور مومنوں کے ذریعہ تمہاری تائید کی اور مومنوں کے دل ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیئے۔"

اسلامی انقلاب کے داعیوں کا یہ باہمی تعلق اخوت کا تعلق ہے، ولایت کا تعلق ہے، رحمت کا تعلق ہے اور محبت کا تعلق ہے۔ لیکن اخوت کا لفظ بڑا ہمہ گیر ہے جو اپنے دامن میں سب کچھ سمیٹ لیتا ہے۔ اسلامی تحریک کے کارکنوں کو آپس میں اس طرح جڑنا چاہیئے جس طرح دو بھائی جڑے ہوتے ہیں۔ جس طرح دو بھائیوں کا رشتہ ایک ناقابل

شکست رشتہ ہوتا ہے، جس طرح وہ اپنے درمیان کوئی تفرقہ، فساد یا انتشار برداشت نہیں کر سکتے، جس طرح وہ ایک دوسرے کے لئے اپنا سب کچھ نثار کر دینے کے لئے تیار ہوتے ہیں، ایک دوسرے کی خیر خواہی، اعانت اور مدد میں لگے رہتے ہیں اور ایک دوسرے کے لئے پشت پناہ اور سہارا بنتے ہیں، جس طرح وہ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں اور اپنے معاملات میں پورے اعتماد کے ساتھ ایک دوسرے کو شریک کرتے ہیں اور جس طرح ان کے درمیان ایک شدید جذبہ محبت ہوتا ہے جو ان کے سینوں میں موجزن رہتا ہے اور ان کے دلوں کو حرارت بخشتا ہے، ٹھیک اسی طرح راہ حق کے ان مسافروں کا تعلق ہوتا ہے جو دین کے لئے اپنا پورا سرمایہ زندگی لگا دیتے ہیں۔ جسے اسلامی انقلاب سے جتنی گہری لگن ہوگی وہ اتنا ہی گہرا تعلق اپنے ساتھی سے قائم کرے گا اور جسے جتنا زیادہ یہ مقصد عزیز ہوگا اسے اتنا ہی یہ تعلق عزیز ہوگا کیونکہ یہ تعلق خالصتہً للہ فی اللہ ہوتا ہے، صرف اللہ کے لئے اور صرف اللہ کی راہ میں۔ جو شخص اسلامی انقلاب کا سرگرم داعی ہو اور پھر اس کا تعلق اپنے ساتھیوں سے ایسا ہو جیسا راہ چلتے اجنبی سے تو اسے اپنے بارے میں غور کرنا چاہئے کہ وہ کس راہ پر جا رہا ہے اور اگر اسے اپنے ان ساتھیوں سے تعلق کی بس اتنی ہی قدر ہو جتنی اس گرد کی جو آدمی اپنے اوپر سے جھاڑ دیتا ہے تو پھر اسے سوچنا پڑے گا کہ اس کے دل میں خود اس مقصد کی کتنی قدر ہے جس کی محبت کا وہ دعویٰ کرتا ہے۔

اخوت کا یہ وہ تعلق ہے جس کے لئے نبی کریم ﷺ نے "الحب للہ" کی پاکیزہ، جامع اور قلب کو مسخر کر دینے والی اصطلاح استعمال کی ہے۔ محبت خود ایک بڑی پر کشش اور شیریں اصطلاح ہے اور پھر للہ فی اللہ کی قید اسے تمام آلودگیوں اور ناگواریوں سے پاک کر کے رفعت کے انتہائی درجات تک پہنچا دیتی ہے اور اس طرح یہ اصطلاح بیک وقت عقل اور دل کو وہ پیمانہ دیتی ہے جس پر ہر مومن اپنے تعلق کو ناپ سکتا ہے۔

اللہ پر ایمان کا اور اس کی راہ میں محبت کا بالکل لازم و ملزوم کا سا تعلق ہے۔ جہاں ایک چیز ہوگی وہاں دوسری بھی موجود ہوگی۔ ایک نہ ہوگی تو دوسری بھی مشکوک ہوگی۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ایک جگہ اس کا اظہار یوں کیا کہ:

"لَاتُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَحَابُّوْا (عن ابی ہریرۃ فی المسلم بحوالہ الھم - ۱۹۷)

تم اس وقت تک مومن نہ ہوگے جب تک آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو۔"

اور پھر پورے تعلقات کو اس بنیاد پر قائم کرنے اور اپنی محبت اور دشمنی کو اللہ کے لئے خالص کر لینے کو تکمیل ایمان کی شرط ٹھہرایا۔

مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَ اَبْغَضَ لِلّٰہِ وَ اَعْطٰی لِلّٰہِ وَمَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ۔

جس نے محبت کی تو صرف اللہ کے لئے اور دشمنی کی تو صرف اللہ کے لئے کسی کو کچھ دیا تو اللہ کے لئے اور روکا تو اللہ کے لئے اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔

دوستیاں اور دشمنیاں انسان کی زندگی پر واقعی اس قدر اثر انداز ہوتی ہیں کہ ان کا اللہ کے لئے خالص کر لینا تکمیل ایمان کے لئے اگر ضروری شرط ٹھہرایا گیا ہے تو بالکل منطقی اور بدیہی بات ہے۔ ایمان کی بہت سی شاخیں ہیں، ہر شاخ اپنی جگہ اہمیت کی حامل ہے------ ایک معاشرہ کے استحکام اور حسن و جمال کے لئے اور اسلامی انقلاب کے لئے ایک منظم طاقت بروئے کار لانے کے لئے اللہ کے لئے محبت اس قدر ضروری ہے کہ اس کے پیش نظر نبی کریم ﷺ نے اس کو ایک جگہ تمام اعمال سے افضل قرار دیا۔ حضرت ابوذرؓ روایت کرتے ہیں کہ:

خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَتَدْرُوْنَ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی قَالَ قَائِلٌ اَلصَّلٰوۃُ وَ الزَّکٰوۃُ وَقَالَ قَائِلٌ اَلْجِہَادُ۔ قَالَ

النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَبَّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ (ابی داؤد)

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس آئے اور پوچھا کیا جانتے ہو اعمال میں سے کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟ کسی نے نماز و زکوٰۃ کو کہا اور کسی نے جہاد کو۔ آپ نے فرمایا کہ صرف اللہ کے لئے محبت اور اللہ کے لئے دشمنی' اللہ کے نزدیک تمام اعمال سے محبوب ترین ہے۔

پھر ایک دفعہ حضرت ابوذرؓ کو مخاطب کرتے ہوئے آپ نے سوال کیا کہ:

اَیُّ عُرَی الْاِیْمَانِ اَوْثَقُ۔ قَالَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ قَالَ اَلْمُوَالَاۃُ فِی اللّٰہِ وَالْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ (بیہقی)

ایمان کی کونسی کڑی مضبوط ترین ہے؟ جواب دیا کہ خدا اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے کہا کہ اللہ کی راہ میں دوستی اور اس کی راہ میں محبت اور دشمنی۔ (بیہقی)

عریٰ حلقہ کو بھی کہتے ہیں اور اس درخت کو بھی جس کے پتے خزاں میں نہیں جھڑتے اور برتنوں کے دستہ کو بھی کہتے ہیں جس کو پکڑ کر برتن اٹھایا جاتا ہے۔ اس طرح اللہ کی راہ میں محبت وہ مضبوط سہارا ہے جس کے بل پر آدمی ایمان کے تقاضے پورے کر سکتا ہے۔ ایسا سہارا جو نہ کبھی ٹوٹ سکتا ہے اور نہ دھوکہ دے سکتا ہے۔

بات یہ ہے کہ ایمان آدمی کی پوری زندگی کا مطالبہ کرتا ہے یعنی زندگی کا ہر لمحہ جب تک کہ جسم میں سانس آرہا ہے اور جارہا ہے ایمان کے تقاضوں کے مطابق گزرنا چاہئے۔ زندگی میں اتنی وسعت کے ساتھ عمل صالح اس وقت تک وجود پذیر نہیں ہو سکتا جب تک کہ مومن کے تعلقات اللہ کے لئے محبت کے تعلقات نہ ہوں' اس لئے بھی کہ تعلقات آدمی کی زندگی کا بہت بڑا حصہ ہیں اور اس لئے بھی کہ یہ تعلقات اس کی زندگی کو لازماً

متاثر کرتے ہیں اور ایک طرح اس کی دوستیاں اس کے دین کا معیار بن جاتی ہیں ۔ چنانچہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو نصیحت کرتا ہے کہ اپنے نفس و ذات کو ان لوگوں سے وابستہ رکھیں جن کی زندگیوں میں خدا کی یاد رچی بسی ہو اور اس کے لئے صبر کا لفظ استعمال کرتا ہے تاکہ وہ حق کی راہ پر چل سکیں اور ساتھ ہی اپنی نظروں کو دنیوی ساز و سامان اور آرائش سے متاثر ہوکر بھٹکنے نہ دیں ۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (کہف ۲۸)

اور اپنی ذات کو ان لوگوں کے ساتھ ٹھہراؤ جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اور اس کی خوشنودی کے طالب ہیں اور دنیوی زندگی کی خواستگاری میں تمہاری نگاہیں ان سے ہٹ کر اور طرف نہ دوڑیں ۔"

دوسری طرف ہمارے نبی ﷺ متنبہ کرتے ہیں کہ انسان اپنی دوستی کے تعلقات سوچ سمجھ کر قائم کرے اس لئے کہ :

اَلْمَرْءُ عَلٰى دِيْنِ خَلِيْلِهٖ فَلْيَنْظُرْ اَحَدُكُمْ مَنْ يُّخَالِلُ (احمد و ترمذی و ابوداؤد و بیہقی)

آدمی اپنے خلیل کے دین پر ہوتا ہے پس تم میں سے ہر ایک سوچ سمجھ لے کہ وہ اپنا خلیل کس کو بناتا ہے ۔ (عن ابی ہریرہؓ)

خلیل کا لفظ خلت سے نکلا ہے جس سے مراد ایسی محبت اور خلوص ہے جو دل میں اتر کر رچ بس جائے ۔ اچھے اور برے لوگوں کی محبت اور صحبت کی ایک عمدہ تمثیل حدیث میں بیان ہوئی ہے ۔ فرمایا گیا ہے کہ اچھی صحبت کی مثال ایسی ہے جیسے کسی عطر فروش کی ہم نشینی کی جائے ۔ اگر عطر نہ بھی ملے تب بھی خوشبو سے تو دل و دماغ تروتازہ ہوگا اور بری صحبت کو لوہار کی دکان سے تشبیہ دی گئی ہے جس میں اگر کپڑے جلنے سے بچ

گئے تب بھی کالک اور دھواں طبیعت کو پراگندہ کرے گا ہی۔

ایمان کا ایک اسٹیج وہ ہوتا ہے جب آدمی خود ایمان اور ایمان کے عملی مطالبات کی ادائیگی میں بھی ایک خاص لذت اور کیف و سرور محسوس کرتا ہے۔ اس کو رسول اللہ ﷺ نے حلاوت ایمان سے تعبیر کیا ہے اور اس کی جو تین شرائط بیان فرمائی ہیں ان میں سے ایک شرط یہ بھی رکھی ہے کہ:

اَنْ یُّحِبَّ الْمَرْءَ لَایُحِبُّہٗ اِلَّا لِلّٰہِ ط

کہ وہ آدمی محبت کرے اور یہ محبت سوائے اللہ کے کسی اور کے لئے ہو۔

ایک غلام اور بندہ کو اپنے آقا و مالک کی محبت اگر نصیب ہو جائے تو اس سے بڑھ کر اور کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے۔

ایک مومن کو اگر اللہ کی محبت مل جائے تو اس کی اس دولت کا بدل اس کو کیا مل سکتا ہے؟ یہ وہ محبت ہے جو ایک مومن کی معراج ہوتی ہے اور نبی کریم ﷺ ہم کو بتاتے ہیں کہ جو لوگ اللہ کے لئے ایک دوسرے سے تعلقات اخوت قائم کریں وہ اس نعمت عظمیٰ کے مستحق ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت معاذ بن جبلؓ یہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجَبَتْ مَحَبَّتِیْ لِلْمُتَحَابِّیْنَ فِیَّ وَالْمُتَجَالِسِیْنَ فِیَّ وَالْمُتَزَاوِرِیْنَ فِیَّ وَالْمُتَبَاذِلِیْنَ فِیَّ۔

میری محبت ان لوگوں کے لئے واجب ہوگئی جو میرے لئے آپس میں محبت کریں، میرے لئے ساتھ مل کر بیٹھیں، میرے لئے ایک دوسرے سے ملنے جائیں اور میرے لئے ایک دوسرے پر مال خرچ کریں۔

دنیوی زندگی میں تو اللہ کے لئے محبت کے یہ سب نتائج ہیں ہی لیکن آخرت میں جب آدمی کے لئے ایک ایک عمل قیمتی ہوگا اور ایک کھجور کا صدقہ اور ایک اچھی بات بھی

اس کے لئے بسا غنیمت معلوم ہوگی اس وقت یہ تعلق ایک مومن کے لئے انتہائی بلند درجات کا موجب ہوگا اور اسلامی انقلاب کے ضمن میں اس تعلق کی اہمیت پر جو کچھ ہمیں معلوم ہے۔ اس کے پیش نظر یہ بالکل فطری اور لازمی بات ہے۔

اس دن کسی آدمی کو دوسرے کا ہوش نہ ہوگا۔ آدمی اپنے ماں باپ 'بھائی بہن' بیوی بچے سب سے دور بھاگے گا۔ آگ سے بچنے کی خاطر ان سب کو فدیہ میں دے دینے کو تیار ہوگا۔ دوستی کی تمام حقیقتیں کھل جائیں گی اور دوست دوست کا دشمن ہو جائے گا وہی دوست جس کی محبت دنیا میں دل و دماغ میں سرایت کئے ہوئے تھی۔ لیکن صرف متقین ہوں گے جن کی دوستیاں وہاں قائم رہیں گی۔ اس لئے کہ وہاں اس نازک مرحلہ میں معلوم ہوگا اور اس کا صحیح احساس و اندازہ ہوگا کہ دنیا میں ان دوستیوں نے کیا کچھ بخشا جو آج کام آرہا ہے۔

اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ ○ یٰعِبَادِ لَاخَوْفٌ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ وَلَا اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ۔ (الزخرف ۶۷ '۶۸)

جو آپس میں ایک دوسرے کے دوست تھے' اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے سوائے متقین کے۔ اے میرے بندو آج کے دن تم پر کوئی خوف نہیں ہوگا اور نہ تم غمگین ہوگے۔ (زخرف)

اور اسی طرح آدمی کا انجام انھیں لوگوں کے ساتھ ہوگا جن کے ساتھ اس کے محبت کے تعلقات ہوں گے۔ یہاں تک کہ خدا کے لئے محبت کرنے والوں میں اگر ایک مشرق میں رہتا ہوگا اور دوسرا مغرب میں تو خداوند تعالیٰ ان کو قیامت کے دن جمع کرکے کہے گا' وہ شخص یہ ہے جس سے تو محبت رکھتا ہے۔

۱ - اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ - (عن ابی موسی اشعری فی البخاری و المسلم بحوالہ ۱۸۰۲

۲ - لَوْ اَنَّ عَبْدَيْنِ تَحَابَا فِي اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَاحِدٌ فِي الْمَشْرِقِ وَاٰخَرُ فِي الْمَغْرِبِ لَجَمَعَ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَقُوْلُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتَ تُحِبُّهُ فِيَّ۔

وہ ایسا دن ہو گا جب قدموں تلے آگ ابل رہی ہوگی اور سر کے اوپر آگ کا بادل ہو گا جس سے انگارے برس رہے ہوں گے ۔ دائیں بائیں آگے پیچھے سے آگ کی لپٹیں رخساروں کو چھو رہی ہوں گی اور صرف ایک سایہ ہو گا جہاں انسان پناہ حاصل کر سکے گا اور وہ عرش الٰہی کا سایہ ہو گا جو سات قسم کے آدمی اس دن اس سائے میں ہوں گے ۔ ان کے بارے میں اللہ کے رسولؐ نے ہم کو خبر دی ہے اور بتایا ہے کہ ان میں:

رَجُلَانِ تَحَابَا فِي اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ - (رواہ ابو ہریرۃ فی البخاری و المسلم بحوالہ ص ۱۹۱)

دو آدمی وہ ہوں گے جنہوں نے اللہ کے لئے آپس میں محبت کی اس کے لئے جمع ہوئے اور اس کے لئے علیحدہ ہوئے ۔

اور ان پر خدا کی رحمت ہو کہ انہوں نے ہم تک اللہ کا یہ فرمان بھی پہنچایا کہ:

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَيْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ فِيَّ بِجَلَالِيْ اَلْيَوْمَ اُظِلُّهُمْ فِيْ ظِلِّيْ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلِّيْ - (عن ابی ہریرۃ فی المسلم بحوالہ ص ۴۲۵)

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن میں کہے گا کہاں ہیں وہ جو میری عظمت کی خاطر آپس میں محبت کرتے تھے ۔ آج کے دن انہیں اپنے سائے میں جگہ دوں گا ۔ آج کے دن سوائے میرے سائے کے کوئی سایہ نہیں ہے ۔

اور ان کے لئے وہ کیا ہی بلند درجات ہوں گے جن کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے یوں دی ہے کہ:

اَلْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِيْ لَهُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُوْرٍ يَغْبِطُهُمُ النَّبِيُّوْنَ وَالشُّهَدَاءُ (عن معاذ

بن جبل فی الترمذی ۴۳۶)

جو میری عظمت کی خاطر آپس میں محبت کرتے ہیں ان کے لئے آخرت میں نور کے منبر ہوں گے اور انبیاء و شہداء ان پر رشک کریں گے۔

اللہ کے لئے اور ایمان کی بنیاد پر باہم یہ گہرے مستحکم اور محبت کے جذبات سے لبریز تعلقات اسلامی تحریک کے لئے اتنے اہم ہیں کہ ان کی خرابی کو انتہائی تشویش کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ انقطاع تعلق کے بارے میں جو سخت تنبیہات آئی ہیں باہم صلح کرنے اور کرانے کے لئے جو وعدے آئے ہیں اور تعلقات خراب کرنے والوں کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس پر تفصیلی گفتگو تو آگے آئے گی لیکن یہ بات ذہن میں رہنا ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے باہمی تعلقات کی خرابی اور بغض کو ایک ایسے استرے سے تشبیہ دی ہے جو پورے دین کو مونڈ کر صاف کر دے۔

هِيَ الْحَالِقَةُ لَا اَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰكِنْ تَحْلِقُ الدِّيْنَ۔ (عن ابی درداؓ فی احمد و ترمذی ص ۴۲) (م)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تعلق کے اثرات کتنے ہمہ گیر ہوتے ہیں۔ جو لوگ بھی خلوص دل سے اس دین سے منسلک ہوں گے ان کے قلب سے اپنے ساتھیوں کے لئے لازماً محبت کے چشمے ابلنے لگیں گے اور یہ تعلق انہیں اتنا عزیز ہوگا اور ان کے سینوں میں اس کی اتنی قدر و قیمت ہوگی کہ وہ کوئی سا نقصان برداشت کرلیں گے لیکن اس کا زیاں برداشت نہ کریں گے۔

اسلامی تحریک کے کارکنوں کا یہ باہمی محبت، الفت اور پیار کا وہ تعلق ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے عظیم ترین انعامات میں سے شمار کیا ہے اور جس اسلامی جماعت کو یہ نعمت مل جائے اس پر اس کا بڑا خاص فضل و کرم ہے کیونکہ یہ تعلق ہی جماعت کی زندگی اور حرارت کا ضامن ہے اور افراد کو وہ ماحول دیتا ہے جس سے وہ ایک دوسرے کا سہارا

بن کر راہ حق کی منزلیں طے کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو نیکی کی راہ پر چلانے کے لئے مستقل کوشاں رہتے ہیں۔ قرون اولیٰ کی اسلامی جماعت کو اللہ تعالیٰ نے باہمی اتحاد و محبت اور اخوت کی جو عظیم دولت بخشی تھی اس کی یاد دہانی سورہ آل عمران میں کی گئی ہے اور اسے اپنی نعمت بتایا گیا ہے۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا (آل عمران ۱۰۳)

اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب تم آپس میں دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے۔ (آل عمران)

پھر سورہ انفال میں نبی کریم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ روئے زمین کی ساری دولت خرچ کرنے کے بعد بھی یہ آپ کے بس کی بات نہ تھی کہ آپ مسلمانوں کے دلوں کو اس طرح الفت و محبت کے رشتے میں جوڑ دیتے۔ یہ صرف اللہ کی قدرت ہے کہ اس نے ایسا کیا اور وہی ایسا کر سکتا ہے۔ اس نے ایک دین دیا اور اس دین پر ایمان اور اس دین سے محبت کی توفیق دی اور اسی کا نتیجہ ہے یہ پیار و محبت۔

لَوْ اَنْفَقْتَ مَافِی الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ (انفال ٦٣)

اگر خرچ کرتا تو جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب محبت نہیں ڈال سکتا تھا ان کے دلوں میں لیکن اللہ نے ان کے درمیان محبت ڈال دی۔"

○------☆☆------○

حصہ دوم

سیرت کی بنیادی خصوصیات

باہمی تعلقات کا جو معیار اسلام نے مقرر کیا ہے اسے قائم اور برقرار رکھنے کے لئے اللہ اور اس کے رسول نے حقوق و فضائل کا ایک ضابطہ بھی تجویز کر کے دیا ہے۔ اس ضابطہ پر عمل کر کے ان تعلقات کو باسانی دین کے مطلوبہ معیار پر پہنچایا جا سکتا ہے۔ لیکن اس ضابطہ کا احساس چند بنیادی امور پر قائم ہے جنھیں اگر انسان اپنی سیرت میں اختیار کر لے تو ان حقوق و فضائل میں سے ایک ایک چیز ان بنیادی صفات کے منطقی نتیجہ کے طور پر ظہور پذیر ہوتی چلی جائے گی۔ یا یوں کہئے کہ پھر یہ صفات آدمی کے اندر سے ایک ایک حق کو ادا کرنے اور ایک ایک فضیلت کو اختیار کرنے کے لئے تقاضا اور مطالبہ کریں گی اور پھر قدم قدم پر نصیحت یا تنبیہ کی ضرورت نہ پڑے گی۔ سب سے پہلی اور بنیادی چیز خیر خواہی ہے۔

خیر خواہی

خیر خواہی کے لئے احادیث میں جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ ”نصیحت“ ہے اور یہ لفظ اپنے دامن میں بڑے وسیع معانی سمیٹ لیتا ہے۔ اسی لئے زبان رسالت نے یہاں تک فرمایا کہ:

”اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ“ دین سراسر خیر خواہی ہے۔ (مسلم۔ م ص ۴۲۳)

پھر مزید تشریح کے طور پر ان کے نام شمار کرائے گئے جن کے ساتھ خیر خواہی

مطو ہے اور ان میں عامۃ المسلمین کا بھی ذکر ہے ۔ اسی طرح ایک دفعہ آپ نے کچھ ساتھیوں سے عام مسلمانوں کے لئے خیر خواہی (نصیحت) کی بیعت لی ---- اس لفظ کا مفہوم یہ ہے کہ تعلق میں کھوٹ نہ ہو ۔ دوسرے الفاظ میں ہم اس صفت کو اس طرح متعین کر سکتے ہیں کہ آدمی کے اوپر ہمیشہ اپنے بھائی کی بھلائی و بہتری کی فکر ہی غالب رہے ۔ اسی کی بہتری کے لئے سرگرداں ہو اور ہر پہلو سے اس کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرے ۔ اس کا کوئی نقصان کوئی تکلیف گوارا نہ ہو اور دنیوی یا دینی جس پہلو سے اس کو مدد پہنچا سکتا ہو اس کی کوشش کرے ۔ اس خیر خواہی کا اصل معیار یہ ہے کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی کچھ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے ۔ اس لئے کہ آدمی خود کبھی اپنی ذات اور اپنے نفس کا برا نہیں چاہ سکتا بلکہ وہ اپنے لئے زیادہ سے زیادہ نفع، بھلائی اور بہتری کے لئے کوشاں رہتا ہے، وہ اپنے نفس کے حقوق میں کمی گوارا نہیں کر سکتا ۔ وہ اس کے فائدہ کے لئے مال اور وقت خرچ کرنے سے دریغ نہیں کر سکتا ۔ وہ اس کی برائی نہیں سن سکتا ۔ وہ اس کی بے عزتی گوارا نہیں کر سکتا اور وہ اس کے لئے زیادہ سے زیادہ رعایت کا طالب ہوتا ہے ۔ بس خیر خواہی کے معنی یہی ہیں کہ آدمی کی سیرت میں یہ صفت پیدا ہو جائے اور اس کا رویہ اس طرز پر نشو و نما پائے کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی کچھ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے ۔

مومن کے کردار کی اس صفت کو رسول خدا ﷺ نے ایمان کی ایک لازمی شرط ٹھہرایا ہے اور فرمایا ہے کہ:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَایُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَایُحِبُّ لِنَفْسِہٖ ۔

"اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے کوئی بندہ مومن نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے ۔"

پھر اسی طرح ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر جو چھ اہم حقوق بتائے گئے ہیں، ان میں سے خیرخواہی کو ایک حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

--- وَيَنْصَحُ لَهٗ إِذَا غَابَ أَوْ شَهِدَ---

--- کہ وہ اپنے بھائی کی خیرخواہی کرے خواہ وہ غائب ہو یا موجود ہو---

اور دوسری حدیث میں بھی یہی بات یوں کہی گئی ہے کہ مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ:

وَيُحِبُّ لَهٗ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ۔

وہ اس کے لئے وہی چیز پسند کرے جو اپنے لئے کرتا ہے۔

آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ خیرخواہی کی یہ صفت اپنے دامن میں کتنے حقوق و فضائل سمیٹ لیتی ہے جو براہ راست اس کے لازمی تقاضے کے طور پر وجود میں آتے ہیں۔

ایثار

جب ایک مسلمان اپنے بھائی کے لئے نہ صرف یہ کہ وہی پسند کرتا ہے جو اپنی ذات کے لئے بلکہ اس کو اپنی ذات پر ترجیح دیتا ہے تو کردار کی یہ صفت ایثار ہے اور یہ دوسری بنیادی صفت ہے۔

ایثار کا لفظ اثر سے نکلا ہے' اور اس کے معنی قدم رکھنے اور ترجیح دینے کے ہیں یعنی مسلمان اپنے بھائی کی بھلائی اور بہتری کو اپنے نفس کی بھلائی اور بہتری پر ترجیح دے۔ اپنی ضرورت کو موخر کر کے دوسرے کی ضرورت پوری کرے' خود تکلیف اٹھائے اور دوسروں کو آرام پہنچائے' خود بھوکا رہے اور دوسرے کا پیٹ بھر دے۔ اپنی طبیعت اور مزاج پر ناگواریاں جھیل لے لیکن اپنے بھائی کے دل پر حتی الوسع کسی ناگواری کا میل نہ آنے دے۔

یہ صفت ایک بلند اخلاقی فضیلت ہے اور ہر شخص سے اس کا تقاضا نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ اس کی بنیاد پر حقوق تو متعین نہیں کئے گئے لیکن خود اس کی اور اس کی بنیاد پر بے شمار اخلاقی فضائل کی تاکید کی گئی ہے۔

یہ ایثار سب سے پہلے ضروریات کے دائرہ میں ہونا چاہئے۔ پھر آسائش و آرام کے دائرہ میں اور پھر مزاج کے تقاضوں کے دائرہ میں۔ یہ آخری چیز خاصی اہم ہے۔ تمام انسان مختلف المزاج ہوتے ہیں اور اس طرح ان کے تقاضے مختلف النوع — اگر انسان اپنے مزاج کے تقاضوں پر اڑ جائے تو معاشرہ درہم برہم ہو جائے لیکن اگر وہ دوسرے کے ذوق' پسند اور دلچسپی کو ترجیح دینا سیکھ جائے تو پھر انتہائی شیریں اور مخلصانہ تعلقات وجود میں آتے ہیں۔

پھر اس ایثار کا بلند تر درجہ یہ ہے کہ — آدمی خود تنگی اور عسرت کی حالت میں ہو پھر بھی اپنے بھائی کی ضروریات اپنی ضروریات پر مقدم رکھے۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں کی زندگی ان واقعات سے بھری پڑی ہے اور قرآن نے ان کی اس صفت کی تعریف کی ہے۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔

"اور اپنے نفس پر دوسروں کو مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان پر تنگی ہی کیوں نہ ہو۔"

انصار نے اپنی عسرت کے باوجود مہاجر بھائیوں کا جس طرح استقبال کیا اور ان کو اپنے درمیان جگہ دی' یہ ایثار کی اچھوتی مثال ہے۔ ایک واقعہ حضرت ابو طلحہ انصاری کا ہے جو اس آیت کی شان نزول کے طور پر بیان کیا جاتا ہے اور جس میں اس کا بہترین انطباق پایا جاتا ہے۔

"ایک آدمی ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بھوکا آیا۔ کاشانہ نبویؐ میں کچھ نہ

تھا۔ آپ نے فرمایا جو شخص اس کو آج کی رات مہمان بنائے گا خدائے تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا۔ حضرت ابو طلحہ اس کو اپنے گھر لے گئے لیکن گھر جاکر بی بی سے معلوم ہوا کہ اتنا ہی کھانے کو ہے کہ مہمان کا پیٹ بھر سکے۔ بولے بچوں کو سلا دو اور چراغ کو بجھا دو۔ ہم دونوں رات بھر بھوکے رہیں گے البتہ مہمان پر یہ ظاہر کریں گے کہ ہم کھا رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ صبح کو رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا۔ خدا تعالیٰ تمہارے اس حسنِ سلوک سے بہت خوش ہوا اور یہ آیت سنائی۔" (بخاری، مسلم)

یہ مالی تنگی میں ایثار کا واقعہ تھا لیکن اس سے زیادہ نادر واقعہ ایک جہاد کا ہے جو شانِ ایثار کی انتہائی شکل ہے۔ جب ایک زخمی کے پاس میدان جنگ میں پانی پہنچایا گیا تو پاس سے کراہنے کی آواز آئی۔ انہوں نے کہا پہلے ان کے پاس لے جاؤ۔ جب ان کے پاس پہنچے تو پھر یہی واقعہ پیش آیا اور انہوں نے بھی مرتے وقت اپنے ساتھی کو اپنے اوپر ترجیح دی اور اس طرح چھٹے آدمی تک نوبت آئی اور ہر ایک دوسرے کو اپنے اوپر مقدم کرتا رہا۔ جب چھٹے کے پاس پہنچے تو وہ ختم ہو چکے تھے اور جب پہلوں کے پاس واپس آئے تو سب جان بحق ہو چکے تھے۔ رحمہم اللہ۔

اس ایثار کے معنی یہ ہیں کہ آدمی اپنے لئے کمتر چیز پر راضی ہو جائے اور اپنے ساتھی کو بہتر چیز دے دے۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ ایک جنگل میں جا رہے تھے، آپ نے دو مسواک کاٹے۔ ایک سیدھا تھا اور ایک ٹیڑھا، آپ کے ساتھی ایک صحابی تھے۔ آپ نے سیدھا مسواک انہیں دے دیا اور خود ٹیڑھا رکھ لیا۔ انہوں نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ! یہ بہتر ہے اور آپ کے لئے اچھا ہے۔ آپ نے فرمایا، جو کوئی شخص کسی سے ایک ساعت بھی صحبت رکھتا ہے تو اس سے قیامت کے دن سوال کیا جائے گا کہ اس نے حقِ صحبت کا خیال رکھا یا اسے ضائع کیا۔ (کیمیائے سعادت) یہ اشارہ ہے اس طرف کہ

ایثار بھی صحبت کا ایک حق ہے۔

عدل:

سیرت کی دو اہم بنیادی صفات جن کو اگر مومن اختیار کرلے تو نہ صرف تعلقات کی خرابی کو کہیں سر اٹھانے کا موقع نہ مل سکے گا، بلکہ یہ انتہائی شیریں ہو جائیں گے، عدل و احسان ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے بحیثیت حکم کے ارشاد کیا۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَ الۡاِحۡسَانِ (النحل ۹۰)

"اللہ تعالیٰ عدل اور احسان پر کاربند رہنے کا حکم دیتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے (ان اللہ یامر) کا انداز بیان قابل غور ہے۔

عدل کا تصور دو مستقل حقیقتوں سے مرکب ہے۔ ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن و تناسب قائم ہو اور دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقہ سے دیا جائے اور "عدل" کے حکم کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی، قانونی، سیاسی و تمدنی حقوق پوری ایمانداری کے ساتھ ادا کئے جائیں۔ یعنی ایک مسلمان اپنے بھائی کے وہ تمام حقوق ادا کرے جو شریعت نے عاید کئے ہیں، اپنے معاملات اس طرز پر طے کرے جس طرز پر شریعت چاہتی ہے۔ سلوک اس نوعیت کا ہو جس نوعیت کا سلوک شریعت تقاضا کرتی ہے اور برتاؤ میں وہی روش اختیار کرے س کا حکم شریعت نے دیا ہے اس لئے کہ شریعت ہی وہ نظام ہے جس میں عدل کے تمام قاضے بکمال حسن و خوبی ملحوظ رکھے گئے ہیں۔

وَ اَنۡزَلۡنَا مَعَھُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡمِیۡزَانَ لِیَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ (الحدید ۲۵)

اور اتاری ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور ترازو تاکہ لوگ انصاف کو قائم رکھیں۔"

اسی طرح اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی سے برائی کا بدلہ لے تو بس اتنا ہی لے

جتنی برائی کی گئی ہے۔ جو اس سے بڑھا اس نے عدل سے تجاوز کیا۔

عدل کی مزید تشریح جو اس کے تصور کو بالکل مکمل کر دیتی ہے اس حدیث میں ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے ان نو باتوں کا ذکر کیا ہے جس کا حکم اللہ کی طرف سے دیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ:

كَلِمَةُ الْعَدْلِ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَاءِ۔

غضب کی حالت ہو یا ناراضگی کی، 'بہر صورت عدل کے کلمے پر رہو۔''

دراصل کمال سیرت کی بنیادی علامت یہ ہے کہ آدمی کی قلبی کیفیت کچھ بھی ہو لیکن وہ عدل کے راستہ سے سرمو نہ ہٹے اور اس میں اصل چیز یہ ہے کہ آدمی کے کردار میں اتنی طاقت ہو کہ خواہ آدمی کے دل میں اپنے بھائی کی طرف سے غبار اور میل ہو لیکن پھر بھی وہ اپنے معاملات، برتاؤ اور رویہ کو شریعت کے تقاضوں سے ہٹنے نہ دے۔ اس عدل کے بعد اگلی چیز احسان ہے۔ جو عدل سے زاید ایک چیز ہے۔

احسان:

اس کی اہمیت باہمی تعلقات میں عدل سے بھی زیادہ ہے۔ عدل اگر تعلقات کی اساس ہے تو احسان اس کا جمال اور کمال ہے۔ عدل اگر تعلقات کو ناگواریوں اور تلخیوں سے بچاتا ہے تو احسان اس میں شیرینیاں اور خوشگواریاں پیدا کرتا ہے۔ کوئی تعلق صرف اس بنیاد پر قائم نہیں رہ سکتا کہ ہر فریق ناپ تول کر کے دیکھتا رہے اور اپنے واجب الوصول حقوق میں کسی طرح کی کمی اور دوسرے کے واجب الادا حقوق میں کسی طرح کا اضافہ گوارا نہ کرے۔ ایسے کھرے تعلق میں کشمکش تو ہوگی۔ مگر محبت، شکرگزاری، عالی ظرفی، ایثار، اخلاق اور خیرخواہی کی نعمتوں سے وہ محروم رہے گا جو دراصل زندگی میں لطف و حلاوت پیدا کرنے والی ہیں۔ یہ نعمتیں احسان سے حاصل ہوں گی جس سے مراد ہے نیک برتاؤ، فیاضانہ معاملہ، ہمدردانہ رویہ، رواداری، خوش خلقی،

درگزر، باہمی مراعات، ایک دوسرے کا پاس و لحاظ، دوسرے کو اس کے حق سے کچھ زیادہ دینا اور خود اپنے حق سے کچھ کم پر ہی راضی ہوجانا۔

اس احسان کا تصور بھی نو باتوں والی حدیث کی تین باتیں مکمل اور واضح کرتی ہیں کہ:

اَنْ اَصِلَ مَنْ قَطَعَنِیْ وَاُعْطِیَ مَنْ حَرَمَنِی وَاَعْفُوْ اَعَمَّنْ ظَلَمَنِیْ۔

"جو مجھ سے کٹے میں اس سے جڑوں اور جو مجھ کو (حق سے) محروم کرے میں اس کو (اس کا حق) دوں اور جو میرے اوپر ظلم کرے میں اس کو معاف کر دوں"

یعنی کردار کی یہ صفت اس کا تقاضا کرتی ہے کہ نہ صرف آدمی اپنے بھائی کو بھلائی کا بدلہ اس سے زائد بھلائی سے دے بلکہ اگر وہ برائی کرے تو اس کا جواب بھی بھلائی سے دے۔

وَیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ۔

"اور برائی کو بھلائی کے ذریعے دفع کرتے ہیں۔"

ان چار صفات کے بعد پانچویں چیز وہ ہے جس کے لئے میں رحمت کا لفظ استعمال کروں گا لیکن جس کے لئے نہ معلوم کتنی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں۔

رحمت:

رحمت کا لفظ میں نے اس لئے استعمال کیا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے باہمی تعلق کی تصویر کھینچنے کے لئے اس لفظ کو استعمال کیا ہے اور یہ چیز اس کے وسعت معانی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَهُمْ۔ (الفتح ۲۹)

"محمد رسول اللہ اور جو لوگ ان کے ساتھی ہیں کفار پر سخت ہیں اور باہم سراپا رحمت ہیں۔

اس صفت کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے ہم اس کو دل کی نرمی اور گداز سے تعبیر کر سکتے ہیں جس کے نتیجہ میں آدمی کا رویہ اپنے بھائی کے لئے انتہائی شدت گرمجوشی، سوز و شفقت اور الفت کا مظہر ہو جاتا ہے۔ اس کے بھائی کو اس سے ذرہ برابر بھی کوئی ایذا تکلیف یا ٹھیس پہنچنے کا تصور بھی اس کے لئے کربناک ہوتا ہے۔ یہ رحمت ہی کی صفت ہے جو آدمی کو ہر دلعزیز بناتی ہے اور انسانوں کو اس کی طرف پروانہ وار کھینچتی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی اہم صفات میں سے ایک صفت یہی ہے جس کا ذکر قرآن نے کیا ہے اور دعوت و تربیت کے سلسلہ میں اس کی کئی مثالیں پیش کی ہیں۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ۔ (التوبہ ۱۲۸)

بے شک تمہارے پاس خود تم میں سے رسول آیا۔ تم کو کوئی تکلیف پہنچے تو ان کو گراں ہوتی ہے۔ تمہاری بھلائی پر وہ حریص ہے اور مومنین' کے لئے سراپا رافت و رحمت۔"

اور سوہ آل عمران میں بتایا گیا ہے کہ اگر آپ کا دل نرم نہ ہوتا تو لوگ کبھی آپ کے گرد جمع نہ ہوتے اور یہ دل کی نرمی اللہ کی رحمت ہے۔ فرمایا:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ۔ (آل عمران ۱۵۹)

"اللہ کی رحمت سے آپ ان کے لئے نرم دل واقع ہوئے ہیں اگر کہیں بد خو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔

ایمان کا نتیجہ الفت ہے اور الفت سخت دلی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا

ایک مومن جو سراپا الفت ہوتا ہے سراپا نرمی بھی ہوتا ہے ورنہ اس کے لئے ایمان میں کوئی بھلائی نہیں۔ اس حقیقت پر رسول اللہ ﷺ نے یوں روشنی ڈالی ہے۔

اَلْمُؤْمِنُ مَاْلِفٌ وَلَا خَيْرَ فِيمَنْ لَا يَاْلِفُ وَلَا يُؤْلَفُ۔

"مومن محبت و الفت کا پتلا ہوتا ہے اور جو نہ محبت کرتا ہے اور نہ اس سے محبت کی جاتی ہے۔ اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔"

اور اس لئے یہ فرمایا کہ:

مَنْ يُحْرَمِ الرِّفْقَ يُحْرَمُ الْخَيْرَ۔ (عن جریر فی المسلم مشکوۃ)

جو نرمی سے محروم کیا گیا وہ بھلائی سے محروم کر دیا گیا۔

اس بات کی مزید تشریح یوں کی۔

مَنْ اُعْطِيَ حَظَّهٗ مِنَ الرِّفْقِ اُعْطِيَ حَظَّهٗ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ (عن عائشة شرح السنه ۴۳)

جس شخص کو نرمی سے اس کا حصہ دیا گیا اس کو دنیا اور آخرت کی بھلائی میں سے اس کا حصہ دے دیا گیا۔

آپ نے ایک دفعہ تین جنتی آدمیوں میں سے ایک شخص کو گنایا جو اپنے رشتہ داروں اور ہر مسلمان کے لئے رحیم اور رقیق القلب ہو "رَحِيْمٌ رَقِيْقُ الْقَلْبِ لِكُلِّ ذِي قُرْبٰى اَوْ مُسْلِمٍ" (رواہ مسلم) یہ اس کے لئے رحمت سے محرومی اور بدبختی ہے جو زمین پر بندوں پر رحم نہیں کرتا وہ اللہ کی رحمت سے محروم ہو جاتا ہے اور جو زمین پر اللہ کے بندوں پر رحمت کرتا ہے اس کے لئے اللہ کی رحمت واجب ہو جاتی ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

لَا تُنْزَعُ الرَّحْمَةُ اِلَّا مِنْ شَقِيٍّ (عن ابی ہریرۃ احمد الترمذی مشکوۃ ص ۴۲۳)

رحمت کسی سے چھینی نہیں جاتی۔ مگر اس سے جو بدبخت ہو۔

اور مزید یہ کہ:

اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمُكُمْ مَنْ فِي السَّمَآءِ (عن عبد اللہ بن عمرو رواہ الترمذی ابوداؤد، مشکوۃ ۴۲۳)

جو رحم کرنے والے ہیں، رحمٰن ان پر رحم کرتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو تاکہ آسمان والا تم پر رحم کرے۔"

اس نرمی و رحمت کے جو دو مختلف پہلو چھوٹوں اور بڑوں کے ساتھ ظہور پذیر ہوتے ہیں یعنی شفقت و عزت اس کا ذکر اس طرح فرمایا ہے:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا۔

"جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے وہ ہم سے نہیں ہے" (ابی داؤد و ترمذی، مشکوۃ ص ۴۲۳)

ایک مسلمان اپنے بھائی کے ساتھ تعلقات میں سراپا نرم ہوتا ہے اور اپنے معاملات میں اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ ہر ممکن طریقہ سے اس کے دل کو خوش رکھے اور اس کو تکلیف نہ ہونے دے اور اس کا ہر جائز مطالبہ پورا کر دے۔ اس امر کو رسول اللہ ﷺ نے ایک مثال سے یوں سمجھایا کہ:

اَلْمُؤْمِنُوْنَ هَيِّنُوْنَ لَيِّنُوْنَ كَالْجَمَلِ الْاَنِفِ اِنْ قِيْدَ انْقَادَ وَاِنْ اُنِيْخَ عَلٰى صَخْرَةٍ اسْتَنَاخَ۔ (رواہ ترمذی عن مکحول مشکوۃ ۴۳۲)

مومن بردبار اور نرم دل ہوتے ہیں اس اونٹ کی مانند جس کی ناک میں نکیل پڑی ہو۔ اگر کھینچا جائے تو کھنچا چلا جائے اور پتھر پر بٹھایا جائے تو پتھر پر بیٹھ جائے۔

قرآن نے بڑے مختصر انداز میں اس پوری کیفیت کو یوں بیان کیا ہے۔

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ

دراصل یہ رحمت سیرت کی وہ صفت ہے جو تعلقات میں ایک نئی روح ڈال دیتی ہے اور ان کے حسن و جمال کو مکمل کرتی ہے اور ایک شخص جو ایک مرتبہ اس رحمت سے لطف اندوز ہوجاتا ہے پھر اس کا دل اس تعلق کو توڑنے کے لئے مشکل سے راضی ہوتا ہے جس کے ذریعہ اس کو یہ نعمت ملی ہے۔

عفو:

عفو کا مفہوم معاف کر دینا ہے لیکن اس مفہوم میں وہ بہت ساری چیزیں شامل ہیں جو الگ الگ بھی شمار ہوتی ہیں۔ لیکن چونکہ ان کا اس صفت سے گہرا تعلق ہے اس لئے ہم نے انہیں اس کے تحت شامل کر دیا ہے۔ مثلاً غصہ کا ضبط کرنا، صبرو تحمل اور بردباری وغیرہ۔

جب دو آدمیوں کا تعلق قائم ہوگا تو ایک فطری امر ہے کہ ہر ایک سے بہت ساری ایسی چیزیں سرزد ہوں گی جو دوسرے کے لئے ناگواری، تلخی، تکلیف اور اذیت کا باعث ہوں گی جن پر اسے غصہ آئے گا اور جن میں سے بعض پر اسے قانوناً بدلہ لینے کا حق بھی ہوگا--- پیار و محبت کا تعلق اپنے استحکام کے لئے اس بات کا متقاضی ہوتا ہے کہ ایسے تمام موقعوں پر محبت غالب آئے اور ایک بھائی میں اتنی وسیع القلبی ہو کہ وہ اپنے غصہ کو پی جائے اور باوجود انتقام کی قدرت کے انتقام نہ لے اور اس طرح عفو کی روش پر کاربند ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ خاص شیوہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے آپ کو بے شمار جگہ نصیحت کی ہے۔

وَخُذِ الْعَفْوَ اَفَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ۔

اور مسلمانوں کی تقویٰ کی صفات بتاتے ہوئے یہ بھی کہا ہے کہ

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ۔ (آل عمران ۱۳۴)

جب آدمی کو کوئی تکلیف پہنچے یا کوئی نقصان ہو تو سب سے پہلے غصہ اس کے دل و

دماغ پر قابو پانے کی کوشش شروع کرتا ہے اور اگر غصہ دل و دماغ پر قابو پالے تو پھر عفو تو درکنار آدمی ایسی ایسی حرکتیں کر بیٹھتا ہے کہ آئندہ خوشگوار تعلقات کی امید بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ اس لئے سب سے پہلے آدمی کو اپنا غصہ پی جانے کی فکر کرنی چاہیے جب ہی وہ ٹھنڈے دل سے معاملہ پر غور کر سکے گا۔ پھر اگر عفو کی پالیسی اختیار نہ بھی کرے تو کم از کم عدل سے تجاوز نہ کرے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے مختلف فرمودات میں اس کے خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے اس کو دبانے کی ترغیب دی ہے۔ فرمایا:

اِنَّ الْغَضَبَ لَیُفْسِدُ الْاِیْمَانَ کَمَا یُفْسِدُ الصَّبِرُ الْعَسَلَ (بیہقی، مشکوۃ ۴۳۳۔ ۴۳۴)

بے شک غصہ ایمان کو اس طرح خراب کر ڈالتا ہے جس طرح ایلوہ شہد کو"

مَا تَجَرَّعَ عَبْدٌ، اَفْضَلُ عِنْدَ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ جُرْعَۃِ غَیْظٍ یَکْظِمُھَا اِبْتِغَاءَ وَجْہِ اللّٰہِ تَعَالٰی - (رواہ احمد حسن ابن عمر مشکوۃ ۴۳۴)

بندہ کوئی گھونٹ نہیں پیتا جو اللہ کے نزدیک اس غصہ کے گھونٹ سے زیادہ بہتر ہو جو وہ خدا کی خوشنودی کی خاطر پی جاتا ہے۔

اسی طرح آپ نے صبر کی تعلیم دی اور یہ بتایا کہ سب سے بہتر رویہ یہ ہے کہ آدمی یذاؤں پر صبر کرے اور مل جل کر رہے بجائے اس کے کہ قطع تعلق کرے۔

آپ نے فرمایا:

اَلْمُسْلِمُ یُخَالِطُ النَّاسَ وَیَصْبِرُ عَلٰی اَذَاھُمْ اَفْضَلُ مِنَ الَّذِیْ لَا یُخَالِطُھُمْ وَلَا یَصْبِرُ عَلٰی اَذَاھُمْ - عن ابن عمر ترمذی و ابن ماجہ، مشکوۃ ۴۳۲)

وہ مسلمان جو لوگوں سے ملا جلا رہے اور ان کی ایذاؤں پر صبر کرے اس سے بہتر ہے جو ملنا جلنا چھوڑ دے اور ایذاؤں پر صبر نہ کرے۔

ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ کو نصیحت کرتے ہوئے آپ نے منجملہ اور باتوں کے یہ کہا

کہ:

عَبْدًا اُظْلِمَ بِظُلْمَةٍ فَیَغُضُّ عَنْهَا عَزَّ وَجَلَّ اِلَّا اَرَ اللّٰهِ بِمَا نَصُرِهٖ۔ (بیہقی ' ابو ہریرہ)

جس بندہ پر ظلم کیا جائے اور وہ صرف خدا کی رضا کے لئے خاموش رہے تو اللہ اس کی زبردست مدد کرتا ہے۔

صبر سے آگے مقام یہ ہے کہ آدمی اپنے بھائی کو خوش دلی کے ساتھ معاف کر دے باوجود اس کے کہ وہ انتقام اور بدلہ کی طاقت رکھتا ہو۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا:

مَنْ اَعَزُّ عِبَادِکَ عِنْدَکَ

"تیرے نزدیک تیرے بندوں میں سے سب سے زیادہ عزیز کون ہے؟

اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَنْ اِذَا قَدِرَ غَفَرَ

"وہ شخص جو انتقام کی قدرت رکھنے کے باوجود معاف کر دے۔ (عن ابو ہریرہ' بیہقی)

اور اسی طرح فرمایا جو آدمی اپنے بھائی کا عذر نہ قبول کرے اس کو یہ وعید سنائی اور فرمایا کہ:

مَنِ اعْتَذَرَ اَخِیْهِ فَلَمْ یَعْذِرْهُ اَوْلَمْ یَقْبَلْ عُذْرَهٗ عَلَیْهِ مِثْلَ خَطِیْئَةِ صَاحِبِ مَکْسٍ۔
(عن جابر رواہ بیہقی فی شعب الایمان' مشکوۃ ۴۳۰۹)

جس نے اپنے بھائی سے اپنے قصور کا عذر کیا اور اس نے اس کو معذور نہ سمجھا' اس کا عذر قبول نہ کیا تو اس پر اتنا گناہ ہوا جتنا (ایک ناجائز) محصول وصول کرنے پر۔

اور آخرت میں بھی ایسے شخص کے لئے بہترین اجر ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى اَنْ يُنْفِذَهٗ دَعَا اللّٰهُ عَلٰى رُءُوْسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُخَيِّرَهٗ فِىْ اَيِّ حُوْرٍ شَاءَ۔ (ترمذی ابو داؤد' عن سہل بن معاذ۔ مشکوۃ ۴۳۲)

جس نے غصہ ضبط کرلیا اس حال میں کہ وہ اسے پورا کرنے کی قدرت رکھتا تھا' قیامت کے دن خداوند اسے تمام مخلوق کے سامنے بلائے گا اور جس حور کو چاہے اسے انتخاب کرنے کا اختیار دے دے گا۔"

جو دنیا میں معاف کریں گے اللہ تعالٰی ان کی خطائیں معاف کرے گا۔

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (نور ۲۲)

"چاہئے کہ وہ عفو و درگزر سے کام لیں۔ کیا تم اسے پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالٰی تمہیں بخش دے۔ اللہ تعالٰی بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

برائی کے برابر برائی کا بدلہ لینے کا حق ہے۔ لیکن جو معاف کر دے تو اس کا اجر خاص اللہ کے ذمہ ہے۔

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ۔ (شوریٰ۔ ۴۰)

برائی کا بدلہ اتنی ہی برائی ہے پس جس نے معاف کیا اور مصالحت کی اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔"

عفو کی یہ صفت پیدا کرنا کوئی آسان کام نہیں بلکہ بڑے عزم کا کام ہے۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ (الشوریٰ ۴۳)

"اور جس نے صبر کیا اور بخش دیا تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے لیکن یہی وہ چیز

ہے جو تعلقات میں بلندی اور پاکیزگی پیدا کر دیتی ہے اور اس لئے یہ ایک انتہائی اہم صفت ہے۔

دو مزید صفات کا ذکر بھی یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ایک باہمی اعتماد اور دوسرے قدر و قیمت کا احساس۔

اعتماد:

اعتماد کا پورا پورا تصور ولایت کا وہ لفظ اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے جو قرآن نے مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی تعبیر کے لئے استعمال کیا ہے' دراصل ولی کہتے ہی اس کو ہیں جو کاملا قابل اعتماد ہو۔ جس کو آدمی اپنے تمام راز اور تمام معاملات پورے اطمینان سے سپرد کر دے۔ اخوت کے اس تعلق کا تقاضا ہوتا ہے کہ آدمی اپنے ساتھیوں پر اعتماد کرے اور ان کو اپنی زندگی کے معاملات میں برابر کا شریک بنائے۔

قدر و قیمت کا احساس

یہ آخری چیز ہے اور اس کا مقصود صرف یہ ہے کہ آدمی اپنے اس تعلق کی اہمیت اور حیثیت سے اتنا واقف ہو کہ اس کا دل اس کی صحیح قدر و قیمت محسوس کر سکے جب ہی یہ ممکن ہو گا کہ آدمی کسی قیمت پر بھی اس تعلق کا ٹوٹنا گوارا نہ کرے۔

ان بنیادی اصولوں اور صفات کی روشنی میں اللہ اور اس کے رسولؐ نے ہم کو تفصیلی ہدایات دی ہیں تاکہ تعلقات کو مطلوبہ معیار پر استوار کیا جائے۔ کچھ چیزیں منفی حیثیت رکھتی ہیں جو تعلقات کو خراب ہونے سے بچاتی ہیں یعنی منہیات اور کچھ مثبت جو اس کو مزید استحکام اور محبت بخشتی ہیں۔ یعنی موجبات۔

ب سے اہم اور پہلی چیز جس سے روکا گیا ہے وہ حقوق میں دست درازی ہے۔

۱۔ حقوق میں دست درازی:

ہر انسان اس کائنات میں کچھ حقوق کا مالک ہوتا ہے۔ یہ حقوق کائنات کی ان اشیاء میں بھی ہوتے ہیں جن کو انسان اپنے تصرف میں لاتا ہے اور انسانوں پر بھی جن سے وہ تعلقات قائم کرتا ہے۔ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس بات کی سختی سے نگہداشت کرے کہ اس کے بھائی کے ان دو قسم کے حقوق میں سے کسی حق کو غصب کرنے کا جرم اس سے سرزد نہ ہو۔ مال یا زمین یا مادی فوائد میں جو حق اس کے بھائی کا ہو وہ خود نہ حاصل کرے اور اس کی جان و مال، عزت و آبرو اور دین کی طرف سے جو حقوق اس پر عاید ہوتے ہیں ان میں سے کوئی حق ادا ہونے سے نہ رہ جائے۔ یہی وہ حقوق ہیں جن کے بارے میں قرآن نے بے انتہا تفصیل اختیار کی ہے، وراثت، نکاح و طلاق اور دوسرے معاملات سے ایک ایک معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی حدود عاید کرکے ان حقوق پر دست درازی سے روکا ہے۔ ان حقوق کی مزید تفصیلات احادیث میں بیان ہوئی ہیں۔ پھر جہاں جہاں یہ حدود بیان ہوئی ہیں وہاں انتہائی سخت انداز بیان اختیار کرکے حقوق اور خوف خدا کی نصیحت کی ہے اور ان کو توڑنے کے عواقب سے آگاہ کیا ہے۔

تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلَا تَعْتَدُوْھَا وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ (البقرہ)

"یہ اللہ کی حدود ہیں۔ پس ان سے تجاوز نہ کرو اور جو کوئی اللہ کی حدود سے تجاوز کرے وہی ظالم ہے۔"

تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ یُدْخِلْہُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا وَذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَتَعَدَّ حُدُوْدَہٗ یُدْخِلْہُ نَارًا خَالِدًا فِیْھَا وَلَہٗ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ۔

"یہ اللہ کی حدود ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے تو اللہ اسے ان باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی حدود کو توڑے تو اللہ اس کو آگ میں داخل کرے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے ذلت دینے والا عذاب ہے۔"

بارگاہ رسالت سے مسلمانوں کے سامنے یہ بات اس طرح ارشاد فرمائی گئی۔

مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرَءٍ مُّسْلِمٍ بِيَمِيْنِهٖ فَقَدْ اَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ النَّارَ وَحَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ۔

"بے شک اللہ نے آگ واجب قرار دی اور جنت حرام کر دی اس پر جس نے قسم کھا کر کسی مسلمان کا حق مارا۔"

وَاِنْ كَانَ شَيْئًا يَسِيْرًا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ اِنْ كَانَ قَضِيْبًا مِنْ اَرَاكٍ۔

"(صحابہ میں سے کسی نے پوچھا۔) اگرچہ وہ کوئی معمولی سی چیز ہو۔ آپؐ نے فرمایا۔ ہاں اگرچہ وہ پیلو کی ایک ناکارہ اور معمولی سے شاخ ہی کیوں نہ ہو۔"

ایک مرتبہ آپ نے ایک بڑے موثر انداز میں اس بات کو واضح کرتے ہوئے ہ سے پوچھا۔

اَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ ؟ قَالُوْا الْمُفْلِسُ فِيْنَا مَنْ لَّا دِرْهَمَ لَهٗ وَلَا مَتَاعَ فَقَالَ اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِيْ مَنْ يَّاْتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِصَلٰوةٍ وَّصِيَامٍ وَزَكٰوةٍ وَّيَاْتِيْ قَدْ شَتَمَ هٰذَا وَقَذَفَ هٰذَا وَاَكَلَ مَالَ هٰذَا وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا وَضَرَبَ هٰذَا فَيُعْطٰى هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ فَاِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهٗ قَبْلَ اَنْ يُّقْضٰى مَا عَلَيْهِ اُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ۔ (رواہ مسلم عن ابی ہریرہ۔

مشکوۃ ۴۳۵)

"جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ نے عام معنوں کے لحاظ سے کہا کہ مفلس وہ ہے جو مال و متاع سے خالی ہو۔ آپ نے کہا میری امت میں اصل مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ، زکوۃ جیسے اعمال کا ذخیرہ لائے اور ساتھ ہی یہ اعمال بھی لائے کہ کسی کو گالی دی، کسی پر تہمت لگائی، کسی کا مال کھایا، کسی کا خون بہایا اور کسی کو مارا، پھر ایک مظلوم کو اس کی نیکیاں دی جائیں گی اور فیصلہ چکانے سے پہلے اگر اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو پھر حقداروں کی برائیاں لے کر اس پر ڈال دی جائیں گی۔ اور پھر اسے آگ میں پھینک دیا جائے گا۔"

دنیا میں تعلقات کو خرابی سے بچانے کے لئے اور آخرت کے اس عذاب سے بچنے کے لئے حقوق کا پورا تحفظ ضروری ہے اور اس لئے رسول اللہ ﷺ نے خاص طور پر نصیحت کی ہے کہ موت سے پہلے اپنے مسلمان بھائیوں سے اپنی غلطیاں معاف کرالو۔

حقوق کے تحفظ کے سلسلہ میں بنیادی چیز یہ ہے کہ ایک مسلمان کے بھائی کا جسم اور آبرو اس کے ہاتھ اور زبان سے محفوظ رہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس چیز کو ایک مسلمان کی لازمی صفات میں شمار کیا۔ فرمایا:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ۔ (بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہم عن عبد اللہ بن عمر۔ ترجمان السنۃ ۹۲۱)

"مسلمان تو وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے تمام مسلمان محفوظ ہیں۔"

۲۔ جسم و جان کا تحفظ:

ہر انسان کے لئے سب سے عزیز اور قیمتی اس کے جسم و جان ہوتے ہیں اور وہ ایسے شخص کو کبھی اپنا بھائی نہیں سمجھ سکتا جو اس معاملہ میں کوئی تجاوز کرے لہذا اس

:حق خون سے سخت ترین انداز میں روکا ہے۔

وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۤؤُہٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِیْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَلَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِیْمًا - (النساء ۹۳)

"اور جو کوئی قتل کرے مومن کو قصداً پس اس کے لئے ہے جنہم۔ ہمیشہ اس میں رہے گا اور غضب ہو اس پر اور لعنت کی اس پر اللہ نے اور تیار کیا اس کے لئے عذاب بہت بڑا۔"

حجتہ الوداع کے موقع پر بڑے موثر انداز میں آپ نے مسلمانوں پر ایک دوسرے کی جان اور مال اور آبرو کو حرام قرار دیا اور پھر کہا۔

دیکھو میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔ اسی طرح آپ نے ایک دفعہ فرمایا:

وَسِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُهٗ کُفْرٌ (متفق علیہ ابن مسعود، مشکوۃ)

"مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر۔"

ہاتھ سے زیادہ زبان کا معاملہ تعلقات میں بڑا نازک ہوتا ہے۔ یہ ہزار راستوں سے فتنے پیدا کرتی ہے اور ہر فتنہ اتنا پیچیدہ کہ اس کا مداوا بھی بڑی مشکل سے ہوتا ہے اس لئے سب سے زیادہ ضروری ہے کہ اس کے فتنوں کے آگے بند باندھ دیا جائے۔ چنانچہ اللہ نے اور اس کے رسول نے ایک طرف تو زبان کے متعلق بڑی تفصیل سے تنبیہ کی اور دوسری طرف تعلقات کے دائرہ میں وہ ایک ایک چیز جو خرابی و فساد کا سبب بنتی ہے اس کی نشان دہی کر دی اور اس سے روک تھام کی تدابیر کیں۔

قرآن نے مسلمانوں کو بتایا:

مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ

"کوئی بات نہیں نکلتی مگر اس کے پاس ایک نگران حاضر ہوتا ہے۔

رسول اللہ نے حضرت معاذ کو مختلف نصیحتیں کرتے ہوئے آخر میں اپنی زبان پکڑ کر فرمایا۔

كُفَّ عَلَيْكَ هٰذَا

"تیرے اوپر لازم ہے کہ اس کو روکے رکھے۔

انہوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا ہم جو کچھ بولتے ہیں اس کے بارہ میں بھی قابل مواخذہ ہوں گے۔ آپ نے فرمایا:

ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ يَا مُعَاذ هَلْ يَكُبُّ النَّاسَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اَوْ عَلٰى مَنَاخِرِهِمْ اِلَّا حَصَائِدُ اَلْسِنَتِهِمْ (ترمذی عن معاذ بن جبل ریاض الصالحین)

"تیری ماں تجھ کو روئے اے معاذ! زبان کی کترنوں کے علاوہ اور کیا چیز ہوگی جس کی بنا پر لوگ منہ کے بل یا نتھنوں کے بل آگ میں گریں گے۔

سفیان بن عبداللہ نے سوال کیا کہ اپنے بارہ میں کس چیز سے سب سے زیادہ ڈروں۔ آپ نے اپنی زبان پکڑی اور کہا۔ "اس سے"

۳۔ بد کلامی اور برا بھلا کہنا:

زبان کا یہ استعمال کہ انسان اپنے بھائی کے منہ پر برا بھلا کہے یا اس سے سختی سے گفتگو کرے اور اس سے طعن و تشنیع کرے بالکل ناجائز ہے۔ اسی طرح برے نام سے پکارنا بھی اس کے تحت آتا ہے جس کے بارہ میں قرآن نے کہا ہے کہ:

وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الْاِسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۔ (حجرات ۔۱۱)

"اور مت بدنام کرو ساتھ برے القاب کے' برا نام ہے بدکاری پیچھے ایمان کے۔"

اسی طرح آپ نے فرمایا:

لَایَدْخُلُ الْجَنَّۃَ الْجَوَّاظُ الْجَعْظَرِیُّ - (ابوداؤد و بیہقی عن حارث بن وہب ۴۳۶)

"کوئی بدخو اور سخت گو آدمی جنت میں داخل نہ ہو گا۔

اِنَّ اَبْغَضَکُمْ اِلَیَّ وَاَبْعَدَکُمْ مِنِّی مَجْلِسًا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ الثَّرْثَارُوْنَ الْمُتَشَدِّقُوْنَ الْمُتَفَیْھِقُوْنَ (ترمذی و ابن ماجہ عن جابر جواہر رسالت)

"یہ بھی فرمایا کہ قیامت کے روز میرے نزدیک سب سے مبغوض مجھ سے سب سے زیادہ بکواس کرنے والے، دریدہ دہن، فوقیت جمانے والے اور علم کے جھوٹے مدعی و متکبرین ہوں گے۔"

لَیْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا بِاللَّعَّانِ وَلَا الْفَوَاحِشِ وَلَا الْبَذِیِّ -

"اور یہ بھی کہا کہ مومن نہ تو طعنے دینے والا ہوتا ہے نہ لعنت کرنے والا نہ فحش بکنے والا نہ زبان دراز۔"

اصل چیز یہ ہے کہ آدمی اپنے بھائی کی عزت پر کوئی حملہ اس کے سامنے نہ کرے۔

۴۔ غیبت:

ایک دوسرا فتنہ غیبت ہے اور یہ پہلے سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ اس میں انسان اپنے بھائی کے سامنے نہیں بلکہ اس کی پیٹھ پیچھے برا کہتا ہے جب کہ وہ اپنے دفاع پر قادر نہیں ہوتا۔ قرآن نے غیبت کرنے کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے۔

لَایَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتًا فَکَرِھْتُمُوْہُ - (حجرات - ۱۲)

"اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے۔ اس سے تو تم ضرور نفرت کرو گے۔"

رسول اللہ ﷺ نے غیبت کی تعریف کرتے ہوئے ایک دفعہ صحابہ سے سوال کیا۔ کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟

صحابہ نے عرض کیا۔ "اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔

آپ نے فرمایا:

قَالَ ذِکْرُکَ اَخَاکَ بِمَا یَکْرَہُ فَقِیْلَ اَرَاَءیْتَ اِنْ کَانَ فِیْ اَخِیْ مَا اَقُوْلُ قَالَ اِنْ کَانَ فِیْہِ اغْتَبْتَہُ وَ اِنْ لَّمْ یَکُنْ فِیْہِ مَاتَقُوْلُ فَقَدْ بَھَتَّہُ (مسلم، عن ابی ہریرہ۔ مشکوۃ ۴۲)

"غیبت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کا ذکر اس طرح کرو جو اسے ناپسند ہو۔ کہا گیا اگر وہ برائی میرے بھائی میں موجود ہو جس کا ذکر کیا گیا ہے، آپؐ نے فرمایا تو نے اگر ایسی برائی کی جو اس میں موجود ہے تو غیبت کی اور اگر اس میں موجود نہیں ہے تو اس پر بہتان لگایا۔"

مسلمان بھائی کی عزت اس کی متقاضی ہے کہ اس کا بھائی اس کی پیٹھ کے پیچھے اس کو برے الفاظ سے یاد نہ کرے۔

۵۔ چغل خوری:

غیبت کی ہی ایک مخصوص شکل چغل خوری ہے۔ قرآن اس کی برائی یوں کرتا ہے۔

ھَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِیْمٍ (القلم ۱۱)

"لوگوں پر آوازے کسنے والا اور چغلیاں کھانے والا۔

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں، میں نے رسول اللہ کو یہ کہتے سنا ہے کہ چغلخور جنت میں نہ جائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو خاص طور پر نصیحت کی۔

لَایُبَلِّغُنِیْ اَحَدٌ مِّنْ اَصْحَابِیْ شَیْئًا فَاِنِّیْ اُحِبُّ اَنْ اُخْرِجَ اِلَیْکُمْ وَ اَنَا سَلِیْمُ

الصَّدْرِ - (ابو داؤد عن ابن مسعود - مشکوۃ ص ۴۱۴)

"کوئی شخص کسی کے بارے میں کوئی بری بات مجھے نہ پہنچائے اس لئے کہ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ جب تمہارے پاس آؤں تو ہر ایک کی طرف سے میرا سینہ صاف ہو۔

غیبت اور چغل خوری میں زبان کے علاوہ ہاتھ پاؤں اور چشم کے ذریعہ برائی کرنا بھی آتا ہے۔

۶۔ عار دلانا:

برائی کی ایک بڑی قبیح 'فساد پیدا کرنے والی اور دلوں میں افتراق و نفرت پیدا کرنے والی چیز یہ ہے کہ مسلمان اپنے بھائیوں کو ان کے منہ پر یا دوسروں کے سامنے ان کے گناہوں پر عار دلا کر شرمندہ کرے اور اس طرح اس کو رسوا کرے۔ اس حرکت سے دل پھٹ جاتے ہیں اس لئے کہ اس طرح کی رسوائی کوئی شخص بھی گوارا نہیں کر سکتا۔

قرآن نے کہا ہے کہ:

وَلَاتَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ - (حجرات - ۱۱)

"اپنے بھائیوں کو عیب نہ لگاؤ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کو کسی گناہ پر عار دلائے تو وہ نہیں مرے گا جب تک کہ اس سے یہ گناہ سرزد نہ ہو۔ مَنْ عَيَّرَ اَخَاهُ بِذَنْبٍ لَمْ يَمُتْ حَتّٰى يَعْمَلَهٗ اس روایت کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور غریب کہا ہے۔

اسی طرح حضرت ابن عمرؓ کی ایک روایت میں جس میں آپؐ نے مسلمانوں کے کئی حقوق شمار کرائے ہیں 'یہ بھی فرمایا' انہیں کسی عیب و مصیبت کا ہدف بنا کر شرمندہ و ذلیل نہ کرو۔ (ترمذی و مشکوۃ)

۷۔ تجسّس:

عیب لگاکر شرمندہ کرنے سے پہلے ایک اور برائی آتی ہے اور وہ یہ کہ آدمی اپنے بھائی کی خرابیوں کی ٹوہ لگاتا پھرے، ان کا تجسس کرے اس لئے کہ جس کا تجسس کیا جائے اسے بھی گران گزرتا ہے اور جس کے علم میں اپنے بھائی کی برائیاں آتی ہیں اس کے دل میں گرہ پڑ جاتی ہے اور چونکہ تجسس کوئی معیاری ذرائع تحقیق کی اجازت نہیں دیتا اس لئے اکثر اس کا امکان رہتا ہے کہ ادھورے ذرائع تحقیق پر اعتماد کرکے اپنے بھائی کے بارہ میں بری رائے قائم کرلے اور اس طرح بدظنی جیسے برے جرم کا مرتکب ہو۔ اسی لئے قرآن نے بدظنی کے بعد فوراً مسلمانوں سے کہا۔

وَلَا تَجَسَّسُوْا (الحجرات ۱۲) "اور عیب کی ٹوہ نہ لگاؤ۔

اور نبی کریم ﷺ نے بھی اس کی ہدایت کی کہ:

وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَاِنَّهٗ مَنْ يَّتَّبِعْ عَوْرَتَهٗ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ يَتَّبِعَ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَمَنْ يَّتَّبِعَ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ يُفْضِحُهٗ وَفِيْ جَوْفِ دَارِهٖ۔ (ترمذی عن عبد اللہ ابن عمرؓ مشکوۃ)

"مسلمانوں کی عیب جوئی کے درپے نہ رہو اس لئے کہ جو اپنے کسی مسلم بھائی کے پوشیدہ عیب و معصیت کے پیچھے لگتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کے پوشیدہ عیب و معصیت کو طشت ازبام کرنے پر تل جاتا ہے اور جس کے عیب افشا کرنے پر اللہ تل جائے تو وہ اس کو رسوا کرکے ہی چھوڑتا ہے اگرچہ وہ اپنے گھر کے اندر گھس کر کیوں نہ بیٹھ رہے۔

۸۔ تمسخر:

زبان کی برائیوں میں سے ایک بڑی برائی جو ایک بھائی کو دوسرے بھائی سے جدا

کرتی ہے وہ تمسخر ہے یعنی مذاق اڑانا اور اس کا ایسا بد مذاق اڑانا جس میں تحقیر شامل ہو بلکہ یہ حقیقت ہے کہ اکثر و بیشتر تمسخر نتیجہ ہوتا ہے دوسرے کو حقیر سمجھنے کا اور اپنے کو برتر سمجھنے کا۔ قرآن کریم نے اس پر اس طرح متنبہ کیا ہے۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَ لَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ۔ (حجرات۔۱۱)

اے ایمان والو! نہ ٹھٹھا کرے کوئی قوم کسی قوم سے شاید کہ وہ بہتر ہوں ان سے اور نہ عورتیں کسی عورت سے شاید کہ وہ بہتر ہوں ان سے۔

جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی سے تمسخر کرتا ہے آخرت میں اس کے انجام کی بڑی عبرتناک تصویر رسول اللہ ﷺ نے اس طرح کھینچی ہے۔

ان المستهزئين بالناس يفتح لاحدهم فی الاخرة باب من الجنة فيقال له هلم فيجی بكربه وغمه فاذا جاءه اغلق دونه ثم يفتح له باب اخر فيقال له هلم فيجی بكربه وغمه واذا جاءه اغلق دونه فما يزال كذالك حتی ان احدهم ليفتح له الباب من ابواب الجنة فيقال له هلم يا تيه من الياس۔ (بیہقی عن حسن جواہر رسالت ص ۳۹)

"لوگوں کا مذاق اڑانے والے ہر فرد کے لئے قیامت کے دن جنت کا ایک دروازہ کھولا جائے گا اور اسے کہا جائے گا "تشریف لائیے" وہ غم کے ساتھ آئے گا اور جیسے ہی دروازہ تک پہنچے گا اس پر دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ پھر اس پر دوسرا دروازہ کھولا جائے گا کہ "آئیے آئیے" تو وہ اپنے مصائب والم کے ساتھ آئے گا۔ جونہی وہ قریب پہنچے گا دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا یہاں تک کہ جب کسی کے لئے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا اور کہا جائے گا کہ "آؤ" تو وہ مایوسی کے سبب

وہاں آنے اور داخل ہونے کی ہمت نہ کرے گا۔"

تمسخر کی ایک شکل یہ ہے کہ دوسرے انسان کے عیوب کی نقل اتاری جائے ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے کسی کی نقل اتاری تو آپ ؐ نے ناپسند کیا اور فرمایا۔

مَا اُحِبُّ اَنْ حَلَيْتُ اَحَدً وَ اِنْ كَانَ لِي كَذَا وَ كَذَا۔ (ترمذی عن عائشہ۔ مشکوۃ ص ۴۱۴)

میں کسی کی نقل اتارنا پسند نہیں کرتا اگرچہ مجھے یہ اور یہ دے دیا جائے (یعنی کوئی بھی دنیوی نعمت)۔

۹۔ حقیر سمجھنا:

جو چیز دل میں موجود ہوتی ہے اور ظاہری سطح پر گالی دینے' عار دلانے' چغل خوری کرنے اور غیبت کرنے اور تمسخر اڑانے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آدمی اپنے بھائی کو حقیر سمجھتا ہو۔ اس کیفیت کے بعد آدمی کی جرات اپنے بھائی کے حق میں اس قسم کی حرکات کرنے کی ہوتی ہے ورنہ جس آدمی کو انسان اپنے سے بہتر جانتا ہو اس سے کبھی اس قسم کی حرکات نہیں کر سکتا اس لئے قرآن نے تمسخر سے روکتے وقت اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر انسان یہ سوچ لے کہ اس کا بھائی اس سے بہتر ہو سکتا ہے تو وہ کبھی اس کا مذاق نہ اڑائے۔

(عَسٰى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ)

ایمان و تقویٰ کے ساتھ ایک مومن و مسلم بھائی کے لئے حقارت یا اس کو کم تر اور ذلیل سمجھنا کبھی جمع نہیں ہو سکتے اس لئے کہ ہر آدمی کے عزو شرف کا معیار تقویٰ ہوتا ہے جس کا اصل فیصلہ بہرحال آخرت میں اللہ کے روبرو ہو گا۔ چنانچہ دنیا میں اپنے مسلمان بھائی کو کم تر سمجھنے کے معنی تو یہ ہیں کہ وہ شخص ایمان کی اصل قدروں کو ہی نہیں سمجھتا ہے۔ رسول اللہ نے ایک بڑی معنی خیز حدیث میں یہ بتاتے ہوئے کہ تقویٰ دراصل قلب میں

ہے فرمایا کہ ایک آدمی کی ہلاکت کے لئے یہ بات کافی ہے۔

بِحَسْبِ امْرِئٍ مِّنَ الشَّرِّ اَنْ یَّحْقِرَ اَخَاہُ الْمُسْلِمَ۔ (مسلم عن ابی ہریرۃ مشکوۃ ص ۴۲۲)

"ایک آدمی کے شریر ہونے کے لئے یہی دلیل کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے۔"

ایک دوسری روایت میں حضورؐ نے یوں نصیحت فرمائی۔

وَلَایَخْذُلُہٗ وَلَایَحْقِرُہٗ۔

"کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کی نہ تو تذلیل کرے اور نہ تحقیر۔

ایک دفعہ آپ نے یہ فرمایا کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا۔ اور پھر ایک شخص کے سوال کے جواب میں تکبر کی تشریح یوں فرمائی۔

اَلْکِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ (مسلم عن ابن مسعود و مشکوۃ ص ۴۳۳)

"تکبر سے حق رد کرنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا"

حضرت ابو ہریرہؓ ایک حدیث میں تین نجات دینے والے اور تین ہلاک کر دینے والے امور بتاتے ہوئے کہتے ہیں:

وَاِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِہٖ وَھِیَ اَشَدُّھُنَّ۔ (بیہقی عن ابی ہریرۃ، مشکوۃ ۴۳۴)

"ایک ہلاک کر دینے والی چیز اپنے آپ کو بزرگ و برتر سمجھنا ہے اور یہ بدترین عادت ہے۔

آج کے معاشرہ میں نہ صرف اپنے رفقاء کے ساتھ بلکہ عامۃ المسلمین کے ساتھ اپنے معاملات میں تحریک کے کارکنوں کو اس پہلو سے خاص طور پر اجتناب کرنا چاہئے۔

۱۰۔ بدظنی:

بد ظنی کی بیماری ایسی بیماری ہے جو باہمی تعلقات کو گھن لگا دیتی ہے اور دیمک کی طرح چاٹ جاتی ہے۔ ظن معروف معنی میں ایسے خیال کے لئے بولا جاتا ہے جو بغیر واضح شہادت یا دلائل کے قیاساً قائم کر لیا جائے جس کی پشت پر علم نہ ہو اور اگر یہ خیال برا ہو تو یہ بد ظنی ہے۔ جب مسلمان اپنے بھائی کے بارہ میں بغیر کسی علم کے بدگمانی شروع کر دے تو محبت وہاں سے رخصت ہونے لگتی ہے۔

قرآن کریم نے اس سلسلہ میں اس طرح نصیحت کی ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ۔ (حجرات ۱۲)

"اے ایمان والو! بہت گمانوں سے بچو کہ بعض گمان گناہ ہیں۔

اور آنحضرت ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو اس بارہ میں یوں نصیحت کی۔

اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ (بخاری و مسلم۔ عن ابی ہریرۃ مشکوۃ ص ۴۲۷)

"تم ظن سے احتراز کرو اس لئے کہ ظن بد ترین جھوٹی بات ہے۔

ظن سے بچنے کا سب سے اہم تقاضا یہ ہے کہ آدمی اپنے بھائی کی نیت کے بارے میں کبھی کوئی بری بات نہ کہے اور نہ سوچے اس لئے کہ نیت ایسی چیز ہے جس کے بارے میں کبھی کوئی واضح علم نہیں ہو سکتا۔ یہ ہمیشہ قیاس ہی ہو گا۔ پھر اس بارے میں اگر چند باتیں پیش نظر رکھی جائیں تو اس بیماری کا بڑی آسانی سے مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ پہلی بات یہ ہے کہ جہاں ایک طرف ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے بھائی کی طرف سے بدگمانی نہ کرے وہاں یہ بھی ہے کہ کسی دوسرے کو اپنی طرف سے بدگمانی کا موقع نہ دے۔ حتی الوسع ایسی بات سے احتراز کرے جو بدگمانی کا موقع فراہم کر کے دیتی ہو۔ دوسرے کو فتنہ میں نہ ڈالنا چاہئے۔ اس کی مثال خود نبی کریمؐ نے فراہم کی ہے۔

ایک دفعہ آپ اعتکاف میں بیٹھے تھے، رات کو ازواج مطہرات میں سے کوئی آپ سے ملنے آئیں۔ آپ ان کو واپس پہنچانے چلے تو اتفاقاً راستہ میں دو انصاری مل گئے۔ وہ آپؐ کو عورت کے ساتھ دیکھ کر اپنی آمد کو بے موقع سمجھ کر واپس چلنے لگے۔ آپؐ نے آواز دی اور فرمایا۔ "میری فلاں بیوی ہیں۔" انہوں نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ اگر کسی کے ساتھ بدگمانی کرنی ہوتی تو کیا آپ کے ساتھ کرتے؟" آپ نے جواب دیا؟ شیطان انسان کے اندر خون کی طرح دوڑتا ہے۔"

۲۔ اگر باوجود کوشش کے بدگمانی پیدا ہو تو پھر اس کو کبھی دل میں نہ رکھے۔ کیونکہ بدگمانی دل میں رکھنا غدر و خیانت ہے بلکہ اس کو فوراً جاکر اپنے بھائی پر ظاہر کر دے تاکہ وہ اس کو دور کر سکے اور جس پر بدگمانی کا اظہار کیا جائے اس کا فرض ہے کہ وہ فوراً اس کی صفائی کر دے تاکہ دل صاف ہو جائے۔ چپ نہ سادھ لے ورنہ پھر اس گناہ کا بہت بوجھ اس کی طرف بھی منتقل ہو سکتا ہے۔

۱۱۔ بہتان:

ایک مسلمان اپنے بھائی کو جان بوجھ کر مجرم ٹھہرائے یا اس کی طرف کوئی ناکردہ گناہ منسوب کرے تو یہ بہتان ہے اور یہ صاف ایک قسم کا جھوٹ اور خیانت ہے۔ بہتان کی ایک اور بدتر شکل یہ ہے کہ آدمی اپنا گناہ کسی دوسرے کے سر ڈال دے۔ اس کے بارے میں قرآن نے یہ کہا ہے کہ:

وَمَنْ يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِ بَرِيئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا۔

(نساء ۔ ۱۱۲)

"جو کوئی خطا یا گناہ کرکے پھر اس کی تہمت کسی بے گناہ پر دھرے اس نے نقصان اور کھلا گناہ اپنے سر باندھا۔"

اسی طرح مسلمانوں کو بن کیے جھوٹا الزام رکھنے پر یہ کہا گیا ہے:

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا (احزاب - ۵۸۰)

"اور جو کوئی مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو بن کیے تہمت لگا کر تکلیف پہنچاتے ہیں انہوں نے بہتان اور کھلا گناہ اپنے سر لادا۔"

ایک محبت بھرے تعلق میں اس کی گنجائش کہاں نکل سکتی ہے؟

۱۲۔ ضرر رسانی:

ضرر یا نقصان کا لفظ بھی بڑا وسیع ہے لیکن اس کے معنی دراصل یہ ہیں کہ مسلمان اس چیز کو ملحوظ رکھے کہ اس کے بھائی کو اس کی ذات سے کوئی نقصان نہ پہنچے۔ یہ ضرر جسمانی بھی ہو سکتا ہے اور قلبی بھی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے انتہائی سخت انداز میں فرمایا ہے:

مَلْعُوْنٌ مَنْ ضَارَّ اَوْمَكَرَبِهٖ (ترمذی عن ابی بکر الصدیق ۔ مشکوۃ ص ۴۲۸)

"ملعون ہے وہ شخص جو کسی مومن کو ضرر پہنچائے یا کسی کے ساتھ مکر کرے۔"

اسی طرح آپ نے یہ فرمایا:

مَنْ ضَارَّ ضَارَّ اللّٰهُ بِهٖ وَمَنْ شَاقَّ شَاقَّ اللّٰهُ بِهٖ (ابن ماجہ و ترمذی)

"جو کسی مسلمان کو ضرر پہنچائے گا اللہ اسے ضرر پہنچائے گا اور جو کسی مسلمان کو تکلیف میں مبتلا کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ تکلیف میں مبتلا کرے گا۔"

۱۲۔ دل آزاری:

کوئی مسلمان اپنے بھائی کے دل کو تکلیف پہنچائے۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جسے اس ۔ ے دل کو ہرگز گوارا نہ کرنا چاہئے۔ ایک بھائی کے دل کو دوسرے بھائی سے کئی چیز ۔ ں

بنا پر تکلیف پہنچ سکتی ہے۔ ان تمام موٹی موٹی باتوں کے علاوہ جن کا تفصیلی ذکر آچکا ہے۔ زندگی کے معاملات کی جزئیات میں افتادِ طبع اور مزاج بھی دلی کیفیت کا سبب بن سکتا ہے۔ اصولی بات یہ ہے کہ ہر مسلمان کی یہ کوشش ہونی چاہئے کہ اس سے کوئی ایسی بات سرزد نہ ہو جو اس کے بھائی کے دل کو ایذا پہنچائے یا جس سے اس کے جذبات کو ٹھیس پہنچے۔

غیبت جیسے جرم عظیم کی بنیاد بھی یہی ہے۔ چنانچہ غیبت کی تعریف یہ ہے کہ کسی شخص کے بارے میں اس طرح ذکر کرنا جسے وہ ناپسند کرے یا جس سے اس کو تکلیف پہنچے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے نصیحت کی کہ جب تین آدمی ہوں تو دو آدمی آپس میں سرگوشیاں نہ کریں یہاں تک کہ بہت سے آدمیوں میں مل جائیں۔ تب ایسا کرسکتے ہیں

اور اس حکم کی جو وجہ بیان، دی ہے وہ یہ ہے کہ: من اجل ان یحزنہ (مسلم عن عبداللہ بن مسعود۔ مشکوٰۃ ۴۲۱)

"اس خوف سے کہ کہیں وہ غمگین نہ ہو۔

اگر ان آداب کی فہرست پر ایک نگاہ ڈالی جائے جو اسلام نے دیئے ہیں تو یہ معلوم ہوگا کہ کسی مسلمان بھائی کے دل کو تکلیف نہ پہنچے ایک بنیادی اصول کے طور پر کارفرما ہے۔ مسلمان کو ایذا دینا دینی نقطہ نظر سے اتنا برا فعل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سلسلے میں فرمایا:

مَنْ اٰذَی النَّاسَ فَقَدْ اٰذَی اللّٰہَ۔ (طبرانی عن انس بن مالک ترجمان السنہ ۱۷۳)

"جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی۔

اور اس کے برعکس کسی کا دل خوش کرنے کی خاطر کوئی کام کرے تو اس کی بارے میں یہ فرمایا:

ـ قَضٰی لِاَحَدٍ مِنْ اُمَّتِیْ حَاجَۃً یُرِیْدُ اَنْ یَسُرَّہٗ بِھَا فَقَدْ سَرَّنِیْ وَمَنْ سَرَّنِیْ فَقَدْ

وَمَنْ سَرَّ اللّٰهَ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ (بیہقی عن انس - مشکوۃ ص ۴۲۵)

"جو میری امت میں سے کسی کی حاجت پوری کرے اور اس کا مقصد یہ ہو کہ اسے خوش کرے تو اس نے مجھے خوش کیا اور جس نے مجھے خوش کیا اس نے اللہ کو خوش کیا اور جس نے اللہ کو خوش کیا اللہ نے اس کو جنت میں داخل کر دیا۔

اور یہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مومن تو وہ ہے جو مجسم محبت ہو۔ جو شخص کسی سے الفت نہ رکھے اور نہ کوئی اس سے الفت رکھے تو اس میں بھلائی کی بو بھی نہیں۔ دل آزاری کی ایک معمولی صورت ہنسی مذاق میں پریشان کرنے کی ہوتی ہے یعنی ایسا مذاق جس سے واقعی دوسرا پریشان ہو جائے اور اس کے دل کو تکلیف ہو۔

ایک دفعہ آپ ؐ کے صحابہؓ آپ ؐ کے ساتھ سفر کر رہے تھے جب ایک مقام پر قافلہ ٹھہرا تو ان میں سے ایک شخص اٹھا اور دوسرے شخص کی رسی جو وہ اپنے ساتھ لے کر سو رہا تھا اٹھالی اور اس طرح اسے پریشان کیا۔ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا:

لَایَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ یُّرَوِّعَ مُسْلِمًا - (عن ابوداؤد - ترجمان السنہ ص ۲۶۵)

"مسلمان کے لئے یہ حلال نہیں کہ کسی مسلمان کو ہنسی مذاق میں پریشان کرے۔

اسی طرح ایک مرتبہ ہتھیار چھپانے کا واقعہ ہوا تو آپ نے منع فرمایا۔

اَنْ یُرَوِّعَ الْمُؤْمِنَ اَوْ اَنْ یُؤْخَذَ مَتَاعُهٗ لَا لَعِبًا وَّلَا جِدًّا - (ابن عساکر من الواقدی - ترجمان السنہ - ۲۲۵)

"کسی مومن کو ڈرایا جائے ہنسی میں یا واقعی طور پر کسی کا کوئی سامان لے لیا جائے۔

۱۴۔ فریب دہی:

مسلمانوں کو اس بات سے بھی منع کیا گیا ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کو گفتگو یا معاملات میں فریب دیں، غلط بیانی سے کام لیں، دھوکا دیں یا انہیں کسی غلط بات کے پیچھے ڈال دیں۔ ایک ایسے تعلق میں جہاں ایک فریق دوسرے فریق کے ساتھ اس قسم کی حرکت کر سکتا ہے کبھی بھی ایک دوسرے کا اعتبار نہیں کر سکتا اور جہاں ایک آدمی کے لئے دوسرے کی بات بھی قابل اعتبار نہ ہو وہاں لطف و محبت اور اعتماد کسی طرح بھی موجود نہیں رہ سکتا۔ احادیث میں اس چیز کو بدترین خیانت قرار دیا گیا ہے، چنانچہ آپ نے فرمایا:

قَالَ كَبُرَتْ خِيَانَةً اَنْ تُحَدِّثَ اَخَاكَ حَدِيْثًا لَكَ مُصَدِّقٌ وَ اَنْتَ بِهِ كَاذِبٌ۔

ترمذی عن سفیان بن اسد۔ مشکوۃ ۴۱۳)

"سب سے بڑی خیانت یہ ہے کہ تو اپنی بھائی سے کوئی بات کہے وہ تم کو سچا سمجھ رہا ہو حالانکہ تو اس سے جھوٹ بول رہا ہو۔"

۱۵۔ حسد:

حسد وہ ذلیل بیماری ہے جو اگر انسان کے دل میں راہ پالے تو نہ صرف یہ کہ وہ قلبی تعلق کو ختم کر کے رکھ دیتی ہے بلکہ آدمی کا اپنا ایمان بھی خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ حسد کی تعریف یہ ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان پر اللہ تعالیٰ کی کسی نعمت مثلاً مال و دولت یا علم و فضل یا حسن و کمال کو پسند نہ کرے اور یہ خواہش کرے کہ اس سے یہ نعمتیں چھین لی جائیں۔ حسد میں اپنے لئے نعمت کی خواہش پر دوسرے سے چھن جانے کی خواہش غالب رہتی ہے۔

حسد کا سبب کبھی تو بغض و عناد ہوتا ہے کبھی ذاتی فخر اور دوسرے کی کمتری نا

احساس، کبھی دوسروں کو مطیع بنانے کا جذبہ اور کبھی کسی مشترکہ مقصد میں اپنی ناکامیابی اور دوسروں کی کامیابی، کبھی صرف جاہ طلبی اس کا سبب بنتی ہے۔ حسد کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے اس طرح تنبیہ کی ہے:

اِیَّاکُمْ وَالْحَسَدِ فَاِنَّ الْحَسَدَ یَاکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَاکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ (ابوداؤد)

"تم لوگ حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔"

اور یہ وہ چیز ہے جس سے قرآن نے ہر مسلمان کو پناہ مانگنے کی ہدایت کی ہے مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ۔

ایک بڑی اہم ہدایت میں جس میں آپؐ نے ان چیزوں کو بتایا ہے جس کا ترک کرنا بھائی بھائی بننے کے لئے ضروری ہے اور جس کا ایک ٹکڑا بدظنی کے عنوان کے تحت گزر چکا ہے۔

(اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ ----) آپ نے مزید جو فرمایا وہ یہ تھا۔

وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَلَا تَنَافَسُوْا وَکُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰہِ اِخْوَانًا۔ (عن ابی ہریرۃ بخاری و مسلم۔ مشکوۃ ص ۴۲۷)

کسی کے عیوب کی ٹوہ نہ لگاؤ۔ کسی کا تجسس نہ کرو۔ کسی کے تجارتی معاملہ کو نہ بگاڑو۔ آپس میں حسد نہ کرو۔ آپس میں بغض نہ رکھو۔ آپس میں ایک دوسرے سے بے تعلق نہ رہو۔ آپس میں حرص نہ کرو اور خدا کے بندے اور بھائی بن کر رہو۔"

مشہور شارح حدیث حافظ ابن حجر عسقلانی اس کی یہ شرح فرماتے ہیں کہ اس کا

مطلب یہ ہے کہ جب تم لوگ ان منہیات کو چھوڑ دو گے تو بھائی بھائی ہو جاؤ گے پھر آپ نے حسد و بغض کے بارہ میں یہ بھی فرمایا۔

دَبَّ اِلَیْکُمْ دَاءُ الْاُمَمِ قَبْلَکُمُ الْحَسَدُ وَ الْبَغْضَاءُ مِنَ الْحَالِقَۃِ لَا اَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰکِنْ تَحْلِقُ الدِّیْنَ - (احمد و ترمذی - مشکوۃ ۴۲۸)

"پہلی امتوں کی بیماریاں تمہارے اندر سرایت کر گئی ہیں اور یہ بیماریاں حسد اور بغض ہیں جو مونڈ دینے والی ہیں - میں یہ نہیں کہتا کہ بالوں کو مونڈ دیتی ہیں بلکہ دین کا صفایا کر دیتی ہیں -

ان چیزوں کے روکنے کے ساتھ ساتھ جو تعلقات میں خرابی و فساد کا سبب بنتی ہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو وہ چیزیں بھی متعین کر کے بتا دی ہیں جن کا اختیار کرنا تعلقات کے استحکام کا باعث ہوتا ہے - الفت و محبت میں اضافہ ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں ایک دل دوسرے دل سے اس طرح قریب آتا چلا جاتا ہے جیسے ایک ہاتھ کی دو انگلیاں - ان میں کچھ چیزیں ہیں جن کو ضروری قرار دیا گیا ہے یا یوں کہئے کہ وہ بطور حقوق پیش کی گئی ہیں اور کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کے لئے ترغیب دی گئی ہے اور وہ فضائل کے درجہ میں آتی ہیں - مزید بر آں سیرت کی جن بنیادی صفات کی بنیاد پر قرآن اور حدیث سے ہم کو کوئی ہدایت ملتی ہے جس میں سے ہر اک کی روح تو ان ہی صفات کی ہے ان کو علیحدہ سے سامنے رکھنا ضروری ہے - اس لئے کہ لطف و محبت کی فضا کو پروان چڑھانے کی لئے ان میں سے ہر چیز اہم ہے -

۱- عزت و آبرو کا تحفظ:

ایک انسان کے نزدیک سب سے قیمتی چیز اس کی عزت و آبرو ہوتی ہے اور اگر اس عزت کو برباد کیا جائے تو یہ وہ کسی صورت میں گوارا نہیں کر سکتا - چنانچہ ایک طرف جہاں مسلمانوں کو اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ وہ کسی طریقے سے بھی اپنے بھائی کی

عزت پر حملہ کرنے کا باعث نہ ہوں۔ وہاں اس بات کی خاص تاکید کی گئی ہے اور اس کو ایک حق بتایا گیا ہے کہ مسلمان اپنے بھائی کی عزت کا تحفظ کرے۔ کہیں اسے برا بھلا کہا جا رہا ہو، کہیں اس پر تہمت دھری جا رہی ہو تو اس کا فرض ہے کہ وہ اس کا اسی طرح مقابلہ کرے جس طرح وہ اپنی عزت پر حملہ کا مقابلہ کرتا ہے اور اس پر اسے اتنی ہی تکلیف ہو جتنی اپنی عزت خراب ہونے پر ہوتی ہے۔ اگر ایک مسلمان کو اس بات کا یقین ہو کہ اس کی عزت اس کے مسلمان بھائی کے ہاتھوں محفوظ ہے تو اس کو اپنے بھائی سے ایک قلبی لگاؤ پیدا ہو گا۔ لیکن اگر اس بات کا بھی یقین ہو کہ وہ اس کے سامنے اور اسکی پیٹھ پیچھے اس کی عزت کا اسی طرح محافظ ہے جس طرح وہ خود ہو سکتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے دل میں کتنی گہری جگہ پیدا ہو جائے گی۔ اس لئے نبی کریم نے بیشمار احادیث میں اس امر کی ہدایت کی ہے۔

آپ فرماتے ہیں:

مَامِنْ اِمْرَاءٍ مُسْلِمٍ يَخْذُلُ اِمْرَأً مُسْلِمًا فِىْ مَوْضِعٍ يُنْتَهَكُ فِيْهِ حُرْمَتُهٗ يُنْتَقَصُ فِيْهِ مِنْ عِرْضِهٖ اِلَّا خَذَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِىْ مَوْطِنٍ يُحِبُّ فِيْهِ نُصْرَتَهٗ وَمَا مِنْ اِمْرَءٍ مُسْلِمٍ يَنْصُرُ مُسْلِمًا فِىْ مَوْضِعٍ يُنْتَقَصُ مِنْ عِرْضِهٖ يُنْتَهَكُ فِيْهِ مِنْ حُرْمَتِهٖ اِلَّا نَصَرَهُ اللّٰهُ فِىْ مَوْطِنٍ يُحِبُّ فِيْهِ نُصْرَتَهٗ۔ (ابی داؤد، عن ابی جابر، مشکوۃ ۴۲۴)

"جو مسلمان کسی مسلمان کی امداد و اعانت سے ایسے موقع پر بیٹھ جاتا ہے جہاں اس کی عزت کی دھجیاں اڑائی جا رہی ہوں اور اس کی آبروریزی کی جا رہی ہو تو اللہ بھی اس نازک مرحلہ پر اس کی نصرت تنگ کر دیتا ہے جہاں وہ چاہتا ہو کہ کوئی اس کی نصرت و حمایت کے لئے کھڑا ہو اور جو مسلمان کسی مسلمان کی اعانت کے لئے ایسے موقع پر کھڑا ہو جاتا ہے جہاں اس کی آبرو ریزی کی جا رہی ہو یا اس کی عزت خراب کی جا رہی ہو تو اللہ تعالیٰ ایسے

موقع پر اس کی نصرت و حمایت کرتا ہے جہاں وہ چاہتا ہو کہ کوئی اس کی مدد کرتا۔"

اللہ کی سب سے بڑی مدد یہ ہے کہ وہ آگ سے بچالے۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا:

مَامِنْ مُسْلِمٍ يَرُدُّ عَنْ عِرْضِ اَخِيهِ اِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يَرُدَّ عَنْهُ نَارَ جَهَنَّمَ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةِ كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (شرح السنہ عن ابی داؤد، مشکوۃ ۴۲۴)

"جو مسلمان اپنے بھائی کی آبروریزی سے کسی کو روکے تو اللہ پر اس کا حق ہے کہ وہ جہنم کی آگ سے اس کو روک لے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی کہ "مسلمانوں کی مدد ہمارے اوپر ایک حق ہے۔"

آبروریزی کی ایک بہت عام شکل غیبت ہے جس کی تعریف گزر چکی ہے۔ اس کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ:

مَنْ اِغْتِيْبَ عِنْدَهٗ اَخُوْهُ الْمُسْلِمُ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى نَصْرِهٖ فَنَصَرَهٗ نَصَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَاِنْ لَمْ يَنْصُرْهُ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى نَصْرِهٖ اَخَذَهُ اللّٰهُ بِهٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ (شرح السنہ عن انس، مشکوۃ۔ ۴۲۳)

"جس شخص کے سامنے اس کے مسلمان بھائی کی غیبت کی جائے اور وہ اس کی مدد کرنے پر قادر ہو اور پھر اس کی مدد کرے تو اللہ دنیا و آخرت میں اس کی مدد کرے گا اور اگر مدد پر قادر ہونے کے باوجود اس کی مدد نہ کرے تو اللہ دنیا و آخرت میں اسے پکڑے گا۔"

اپنے بھائی کو دوسروں کے شر سے محفوظ رکھنے کے سلسلہ میں آپ نے فرمایا کہ:

مَنْ حَمٰى مُؤْمِنًا مِنْ مُنَافِقٍ بَعَثَ اللّٰهُ مَلَكًا يَحْمِيْ لَحْمَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ (ابوداؤد عن مالک بن انس، مشکوۃ ۴۲۴)

"جس نے کسی مومن کو منافق (کے شر) سے بچایا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک فرشتہ مقرر کردے گا جو اس کے گوشت کو قیامت کے دن جہنم کی آگ سے محفوظ رکھے گا۔"

ایک مسلمان پر اپنے بھائی کی مدد کے سلسلے میں بے شمار حقوق عاید ہوتے ہیں مثلاً مالی مدد' مشکلات کو دور کرنا' مسائل کو حل کرنے کی کوشش اور دوسرے سینکڑوں قسم کی دینی و دنیاوی حاجتوں کا پورا کرنا۔ یہ تمام چیزیں قانون کے دائرہ سے باہر احسان کے دائرہ سے تعلق رکھتی ہیں جو اگرچہ ضروری ہیں اور جن کے بارہ میں آخرت میں جواب دہی ہوگی لیکن ان کے بارہ میں قانون سازی ممکن نہیں۔ اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا پیٹ بھر سکتا ہو یا اس کے ننگے بدن کو ڈھانپ سکتا ہو یا اس کی مشکل و مصیبت کو دور کرنے میں مدد کر سکتا ہو جس میں وہ گرفتار ہو یا اس کی حاجت روائی کر سکتا ہو یا وہ اس کی مالی و معاشی الجھن دور کر سکتا ہو تو یہ اس کے بھائی کا اس پر حق ہے کہ وہ ایسا کرے ورنہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان میں سے ایک ایک چیز کو اپنا حق بتاتے ہوئے سوال کرے گا کہ تم نے یہ حق کیوں نہ ادا کیا۔ زبان رسالت میں انتہائی موثر انداز میں بتایا گیا ہے کہ خدا کہے گا کہ "اے بندے میں بھوکا تھا تو نے مجھ کو کھانا کیوں نہ کھلایا اور یہ کہ میں ننگا تھا تو نے مجھے کپڑا کیوں نہ دیا اور میں مریض تھا تو نے میری عیادت کیوں نہ کی۔" اور بندہ کے پاس کوئی جواب نہ ہوگا۔ اللہ کے کسی بندے اور اپنے کسی مسلمان بھائی کی مدد یا حاجت روائی اتنی بڑی نیکی ہے کہ کم ہی نیکیاں اتنے بڑے درجہ کو پہنچ سکتی ہیں۔ اس کی اصل سپرٹ یہ ہے کہ کوئی بھی ایسا طریقہ ہو جس سے ایک مسلمان اپنے بھائی کو آرام پہنچا سکتا ہو یا اس کے دل کو خوش کر سکتا ہو تو اس میں دریغ نہ کرے۔

جب تک ایک آدمی اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے' وہ اللہ کی مدد کا مستحق رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وَ اللّٰهُ فِیْ عَوْنِ عَبْدِہٖ مَاکَانَ الْعَبْدُ فِیْ عَوْنِ لِاَخِیْہِ (مسلم ترمذی عن ابی ہریرۃ۔ جواہر رسالت ص ۴۲)

اللہ اپنے بندے کی مدد میں اس وقت تک رہتا ہے جب تک وہ بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے۔"

اسی حدیث میں کچھ پہلے نبی کریم اعانت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہو ہر ایک کا اجر اس طرح سناتے ہیں:

مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ کُرْبَۃً مِّنْ کُرَبِ الدُّنْیَا نَفَّسَ اللّٰہُ عَنْہُ کُرْبَۃً مِّنْ کُرَبِ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ وَمَنْ یَّسَّرَ عَلٰی مُعْسِرٍ یَسَّرَ اللّٰہُ عَلَیْہِ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَہُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ (مسلم عن ابو ہریرۃ، جواہر رسالت ۳۲)

"جس نے کسی مومن کی کوئی مشکل دنیاوی مشکلات میں سے دور کر دی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی مشکلات میں سے اس کی ایک مشکل دور کر دے گا۔ جس نے کسی تنگدست آدمی کو سہولت بخشی اللہ اس کو دنیا و آخرت میں سہولت بخشے گا اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا۔"

اس سلسلہ میں کچھ باتیں آپ نے ایک دوسری حدیث میں اس طرح بیان کیں:

اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُہٗ وَلَا یُسْلِمُہٗ وَمَنْ کَانَ فِیْ حَاجَۃِ اَخِیْہِ کَانَ اللّٰہُ فِیْ حَاجَتِہٖ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ کُرْبَۃً فَرَّجَ اللّٰہُ عَنْہُ کُرْبَۃً مِّنْ کُرُبَاتِ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ۔ (بخاری و مسلم، عن ابن عمر۔ مشکوۃ ۴۲۳)

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ تو وہ اس پر ظلم کرے نہ اپنی اعانت سے دست کشی کر کے اس کو ہلاکت کے حوالے کر دے، جو اپنے بھائی کی ضرورت

پوری کرے گا اللہ اس کی ضرورت پوری کرے گا۔ اور جو کسی مسلمان کا غم یا مصیبت دور کر دے گا اللہ تعالیٰ اس کی روز قیامت کی مشکلات میں سے کوئی مشکل دور کر دے گا۔"

اعانت اور حسن سلوک کا ایک بہت بڑا حصہ مال میں عاید ہوتا ہے۔ ہر محروم آدمی اس کا مستحق ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کی نعمت سے حصہ دیا ہے وہ اس کی مدد کرے۔ وَفِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔

آنحضرتؐ نے اس کو انتہائی بلیغانہ انداز میں یوں پیش فرمایا ہے کہ:

اَلْخَلْقُ عَيَالُ اللّٰهِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَى اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عَيَالِهٖ (بیہقی عن عبداللہ، مشکوۃ ص ۴۲۷)

"مخلوق خدا کا کنبہ ہے پس خدا کے نزدیک اس کی مخلوقات میں سے محبوب ترین وہ ہے جو اس کے کنبہ سے حسن سلوک کرے۔"

بھوکوں کو کھانا کھلانے کی قرآن نے انتہائی تاکید کی ہے ابتدائی مکی سورتیں اس سے بھری پڑی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینے آکر مسلمانوں کو سب سے پہلے خطبے میں جن چار امور کی ہدایت کی اور کہا کہ اس کے بعد تم جنت میں داخل ہو سکتے ہو ان میں سے ایک یہ تھی۔

وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ۔ (اور کھانا کھلاؤ)

نیز فرمایا کہ:

لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالَّذِيْ يَشْبَعُ وَجَارُهٗ جَائِعٌ اِلٰى جَنْبِهٖ (بیہقی عن ابن عباس مشکوۃ ص ۴۲۴)

"وہ شخص مومن نہیں جو خود پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا ہمسایہ اس کے پہلو میں بھوکا ہو۔"

ایک شخص نے آپ ؐ سے اپنی سنگدلی کی شکایت کی تو آپ ؐ نے فرمایا:

قَالَ اَمْسَحْ رَأْسَ الْيَتِيْمِ وَاَطْعِمِ الْمِسْكِيْنَ - (روایت احمد عن ابی ہریرہ، مشکوۃ ۴۲۵)

"یتیم کے سر پر ہاتھ پھیر اور مسکین کو کھانا کھلا۔

فریادی کی دادرسی بھی اسی اعانت کا ایک شعبہ ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

مَنْ اَغَاثَ مَلْهُوْفًا كَتَبَ اللّٰهُ ثَلٰثًا وَّسَبْعِيْنَ مَغْفِرَةً وَّاحِدَةٌ فِيْهَا صَلَاحُ اَمْرِهٖ كُلِّهٖ وَاثْنَتَانِ وَسَبْعُوْنَ لَهٗ دَرَجَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ - (بیہقی عن انس - مشکوۃ ۴۲۵)

"جس نے کسی فریادی کی دادرسی کی، اللہ اس کے لئے تہتر بخشش لکھ دیتا ہے۔ ان میں سے ایک بخشش اس کے تمام کاموں کی اصلاح کی ضامن ہے بہتر بخشش قیامت کے دن اس کے درجات بلند کرنے کا سبب بنیں گی۔"

کسی حاجت مند کی سفارش کر دینا یا اس کی شفاعت کرنا بھی اعانت کی ایک صورت ہے جو اگر اس کی بھلائی کے لئے ہو تو خدا نے قرآن میں اس کی تعریف کی ہے۔

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا - (النساء)

"جو نیک بات کی سفارش کرے گا اس کے ثواب میں اس کا بھی حصہ ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے اصحاب کو بھی جب کوئی سائل یا حاجتمند آتا، تو نصیحت کرتے۔"

قَالَ اشْفَعُوْا فَلْتُؤْجَرُوْا -

کہ اس کی سفارش کرو اور ثواب میں حصہ لو۔

اعانت کے مختلف مراحل اور صورتوں کو آپ نے ایک دفعہ حضرت ابوذر غفاری ؓ سے گفتگو کرتے ہوئے واضح کیا۔ انہوں نے پوچھا۔ "ایمان کے ساتھ عمل بتایئے۔ فرمایا

جو روزی خدا نے دی اس میں سے دوسروں کو دے۔"

عرض کیا۔"اے خدا کے رسولؐ اگر وہ خود مفلس ہو؟" فرمایا۔"اپنی زبان سے نیک کام کرے۔" عرض کی "اگر اس کی زبان معذور ہو؟" فرمایا۔"کمزور کی مدد کرے۔" عرض کی۔"اگر وہ ضعیف ہو، مدد کی قوت نہ ہو؟" فرمایا "جس کو کوئی کام کرنا نہ آتا ہو اس کا کام کر دے۔" عرض کی۔"اگر وہ خود ہی ایسا ناکارہ ہو؟" فرمایا "اپنی ایذا رسانی سے لوگوں کو بچائے رکھے۔" (سیرت النبیؐ (۶) ص ۲۸۸)

اور پھر یہ حدیث بھی دہرا لینے کی ضرورت ہے۔

"جو شخص میری امت میں سے کسی کی دینی یا دنیوی حاجت پوری کرے اور اس سے اس کا مقصد صرف اس کو خوش کرنا ہو تو اس نے مجھ کو خوش کیا اور جس نے مجھ کو خوش کیا اس نے اللہ کو خوش کیا اور جس نے اللہ کو خوش کیا تو اللہ اس کو جنت میں داخل کر دے گا۔"

اس سلسلہ میں ایک بڑی اچھی روایت اصبہانی کی حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ کے پاس ایک آدمی آیا اور پوچھا کہ لوگوں میں اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب کون ہے؟ آپ نے جواب دیا۔

اَحَبُّ النَّاسِ اِلَى اللّٰهِ اَنفَعُهُمْ لِلنَّاسِ وَاَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ سُرُوْرٌ تُدْخِلُهُ عَلٰى مُسْلِمٍ اَوْ تَكْشِفُ عَنْهُ كُرْبَةً اَوْ تَقْضِى عَنْهُ دَيْنًا اَوْ تَطْرُدُ عَنْهُ جُوْعًا وَاِنْ اَمْشِىْ مَعَ اَخٍ فِى حَاجَةٍ اَحَبُّ اِلَىَّ مِنْ اَنْ اَعْتَكِفَ فِى هٰذَا الْمَسْجِدِ شَهْرًا وَمَنْ كَفَّ غَضَبَهٗ سَتَرَ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَمَنْ كَظَمَ غَيْظَهٗ وَلَوْ شَاءَ اَنْ يُمْضِيَهٗ اَمْضَاهُ مَلَاءَ اللّٰهُ قَلْبَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ رِضًا وَمَنْ مَشٰى مَعَ اَخِيْهِ فِى حَاجَةٍ حَتّٰى يَقْضِيَهَا لَهٗ ثَبَّتَ اللّٰهُ قَدَمَيْهِ يَوْمَ تَزُوْلُ الْاَقْدَامُ۔

"لوگوں میں اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب وہ ہے جو انسان کو زیادہ نفع

پہنچانے والا ہو اور اعمال میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ یہ ہے کہ تو کسی مسلمان کو خوش کر دے اس طرح کہ اس کی مصیبت و مشکل دور کر دے یا اس پر سے بھوک کو ہٹا دے اور یہ امر کہ میں کسی بھائی کے ساتھ اس کی ضرورت پورا کرنے کی خاطر چلوں مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اس مسجد (نبوی) میں ایک مہینہ اعتکاف کروں اور جس نے اپنے غصہ کو پی لیا اگر وہ چاہتا تو اس کو پورا کر لیتا تو اس کے دل کو اللہ قیامت کے روز اپنی رضا سے بھر دے گا اور جو اپنے بھائی کے ساتھ اس کی ضرورت پوری کرنے کی خاطر چلا یہاں تک کہ وہ پوری کر دی تو اللہ اس کے قدموں کو اس دن ثبات بخشے گا جب قدم لڑکھڑا رہے ہوں گے۔ (یعنی قیامت کے دن)۔"

۲۔ دکھ درد میں شرکت:

اپنے بھائی کی اعانت اور حاجت روائی اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی اصل بنیاد یہ ہے کہ ایک کا دکھ درد دوسرے کا دکھ درد ہو۔ ایک شخص اگر دوسرے کی تکلیف محسوس کرے تو دوسرا بھی اس کو اتنی ہی شدت سے محسوس کرے اور جس طرح جسم کا ایک عضو دوسرے تمام اعضا کی تکلیف میں شریک رہتا ہے اسی طرح ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی تکالیف کا شریک رہے۔ رسول اللہؐ نے کئی مثالوں سے اس امر کو واضح کیا۔ مثلاً ایک دفعہ آپؐ نے یہ فرمایا کہ:

تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ فِیْ تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ کَمَثَلِ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَکٰی عُضْوًا تَدَاعٰی لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰی۔ (بخاری و مسلم عن نعمان بن بشیر۔ مشکوۃ ۴۲۲)

تم مومنوں کو رحمدلی، باہم الفت و لگاؤ اور باہم تکلیف کے احساس میں ایسا

پاؤ گے جیسے ایک جسم۔ اگر ایک عضو بیمار پڑ جائے تو سارا جسم اس کے بخار اور شب بیداری کے ذریعہ شرکت کرتا ہے۔

اسی طرح ایک روایت میں آپ نے اس کی مزید تشریح یوں کی کہ ایک مومن معاشرہ میں ایسا ہوتا ہے جیسے جسم میں سر، جس طرح درد سر کی وجہ سے تمام جسم تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مومن دوسرے تمام مومنوں کی تکلیف سے خود تکلیف و الم میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مثبت طور پر آپ نے اس کی مثال اس طرح پیش کی۔

اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ کَالْبُنْیَانِ یَشُدُّ بَعْضُہٗ بَعْضًا ثُمَّ شَبَّکَ بَیْنَ اَصَابِعِہٖ۔ (بخاری و مسلم عن ابی موسیٰ مشکوۃ ص ۴۲۲)

"ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے عمارت کی طرح ہونا چاہئے اور ایک دوسرے کے لئے اس طرح مضبوطی اور قوت کا باعث ہونا چاہئے جیسے مکان کی اینٹ دوسری اینٹ کے لئے۔ اس کے بعد آپ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال دیں۔

۳۔ احتساب و نصیحت:

ایک مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے بھائی کے اعمال و افعال پر نگاہ رکھے۔ اور جہاں اسے سیدھی راہ سے ہٹتے دیکھے وہاں اس کو نصیحت کر کے سیدھا کرنے کی کوشش کرے۔ یہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے اگرچہ اس حق کی ادائیگی ایک ایسی چیز ہے جو اکثر و بیشتر ناگوار گزرتی ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ اگر ایک فرد کے دل میں اس بات کا پورا احساس ہو کہ اصلی کامیابی آخرت کی کامیابی ہے اور تعلق کی اساس یہ ہے کہ دو بھائی ایک دوسرے کو یہ کامیابی حاصل کرنے میں مدد دیں کیونکہ دنیا میں احتساب آخرت کے احتساب سے بہتر ہے تو وہ اپنے دل میں یقیناً اپنے بھائی کا شکر گزار ہو گا کہ اس نے دنیا ہی میں اس کو اصلاح کا موقع دیا اور پھر اگر تنقید و احتساب کرنیوالا

ان تمام شرائط کو ملحوظ رکھے جو ضروری ہیں اور خاص طور پر اگر یہ کام دلسوزی محبت اور خلوص سے ہو تو یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ شکرگزاری آگے بڑھ کر محبت میں اضافہ اور الفت و لگاؤ میں زیادتی کا باعث ہوگی' اس لئے کہ پھر تنقید کرنیوالے کے بارہ میں ایک محسن اعظم کا تصور پیدا ہوگا۔ تنقید کی ساری شرائط کو نبی کریمؐ نے اپنی اس حدیث میں ایک مثال سے واضح کر دیا ہے جس میں آپ نے اس کی نصیحت کی ہے۔

آپؐ نے فرمایا:

اِنَّ اَحَدَکُمْ مِرْاٰۃُ اَخِیْہِ فَاِنْ رَاٰی بِہٖ اَذًی فَلْیُمِطْ عَنْہُ۔ (ترمذی عن ابی ہریرۃ' مشکوۃ ۴۲۴)

"تم میں سے ہر ایک اپنے بھائی کا آئینہ ہے پس اگر وہ اپنے بھائی میں کوئی خرابی دیکھے تو اسے دور کر دے"۔

اور ابی داؤد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

اَلْمُؤْمِنُ مِرْاٰۃُ الْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنُ اَخُو الْمُؤْمِنِ یَکُفُّ ضَیْعَتَہٗ وَیَحُوْطُہٗ مِنْ وَّرَائِہٖ۔ (ابی داؤد' مشکوۃ ۴۲۴)

"ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے اور ایک مومن دوسرے کا بھائی ہے اور اس کے حق کو اس کی عدم موجودگی میں محفوظ رکھتا ہے۔"

اس مثال کی روشنی میں احتساب و نصیحت کے مندرجہ ذیل اصول وضع کئے جا سکتے ہیں۔

۱۔ برائیوں کا تجسس نہ ہونا چاہئے اس لئے کہ آئینہ کبھی تجسس نہیں کرتا' وہ اس وقت ظاہر کرتا ہے جب آپ اس کے سامنے جا کھڑے ہوں۔

۲۔ پیٹھ کے پیچھے تنقید نہ ہو اس لئے کہ آئینہ کسی کی شکل اس وقت تک ظاہر نہیں کرتا جب تک وہ روبرو نہ ہو۔

۳۔ تنقید میں کوئی اضافہ نہ ہونا چاہئے اس لئے کہ آئینہ بلاکم و کاست اور بلا مبالغہ نقوش واضح کر دیتا ہے۔

۴۔ تنقید بے لاگ ہونی چاہئے اور کسی بدنیتی اور غرض سے پاک' اس لئے کہ آئینہ جس کا نقش کرتا ہے اس سے کوئی کینہ نہیں رکھتا۔

۵۔ بات کہہ دینے کے بعد اسے پالنا نہیں چاہیے اس لئے کہ سامنے سے ہٹ جانے کے بعد آئینہ شکل کو محفوظ نہیں رکھتا۔ یا دوسرے الفاظ میں پردہ دری نہ ہونی چاہئے۔

۶۔ اور پھر سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس میں انتہائی سوز' دکھ' درد' خلوص اور محبت کار فرما ہو جس کا احساس ہی اس ناگواری کے ہلکے سے احساس کو فنا کر دے' جو ہر شخص میں فطری طور پر اپنے اوپر تنقید سن کر ابھرنے لگتا ہے۔ اسی لئے "مراۃ المسلم" کے ساتھ "اخوۃ المسلم" بھی کہا گیا۔ یہ دل سوزی اس وقت پیدا ہو سکتی ہے جب ایک طرف یہ احساس ہو کہ میرے بھائی کی یہ خرابی اس کی ہلاکت کا سبب بن سکتی ہے اور دوسری طرف اپنے کو اپنے بھائی سے بڑا نہ سمجھے بلکہ بہتر یہ ہے کہ اس سے کمزور اور اس سے زیادہ خطا کار اور گناہ گار سمجھے۔

۱۴۔ ملاقات:

محبت کے بالکل اولین اور بنیادی تقاضوں میں سے یہ ہے کہ آدمی جس سے محبت کرتا ہے' اس سے زیادہ سے زیادہ ملے' اس کی صحبت اختیار کرے اور اس سے گفتگو کرے اور اس کے پاس بیٹھے۔ انسانی نفسیات کا ابتدائی طالب علم بھی جانتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ یہ محبت کا بنیادی تقاضا ہے۔ بلکہ محبت کو بڑھانے کے لئے اور دلوں کو آپس میں زیادہ سے زیادہ جوڑنے کے لئے یہ موثر ترین چیزوں میں سے ایک ہے۔ محبت تقاضا

کرتی ہے کہ آدمی ہر ممکن موقع پاکر اپنے بھائی سے مل لے۔ اور ہر ملاقات محبت میں مزید اضافہ کا سبب بنتی ہے اور اس طرح یہ ایک لامتناہی سلسلہ بن جاتا ہے۔ ملاقات میں اگر شریعت کے ان اصولوں کو ملحوظ رکھا جائے جن پر ہم پہلے گفتگو کر آئے ہیں اور جن کو پھر ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ آدمی اپنے بھائی کی دل آزاری اور ایذا رسانی کو کسی طرح نہ برداشت کرے اور اگر ان چیزوں کو بھی ملحوظ رکھا جائے جو بعد میں آنے والی ہیں تو ممکن نہیں کہ دو مسلمانوں کی ملاقات تعلق میں اضافہ کا سبب نہ بنے اور وہ دو بھائیوں کے دلوں کو قریب نہ لے آئے۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے باہمی محبت کے باب میں اس کو خاص اہمیت دی ہے' اس کی ہدایت کی ہے اور اس کے بے شمار فضائل بتائے ہیں۔

ایک حدیث میں آپ فرماتے ہیں کہ:

صالح ہم نشین تنہائی سے بہتر ہے۔ (بیہقی عن ابی ذر' مشکوۃ)

ایک دفعہ آپ نے حضرت ابوذرؓ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

هَلْ شَعَرْتَ اَنَّ الرَّجُلَ اِذَا خَرَجَ مِنْ بَيْتِهٖ زَائِرًا اَخِيْهِ شَيَّعَهٗ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ كُلُّهُمْ يُصَلُّوْنَ عَلَيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اِنَّهٗ وَصَلَ فِيْكَ فَصِلْهُ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَعْمَلَ جَسَدَكَ فِيْ ذٰلِكَ فَافْعَلْ۔ (بیہقی عن ابی ذر' مشکوۃ ۴۲۷)

"تمہیں معلوم ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنے بھائی کو دیکھنے اور ملاقات کی غرض سے گھر سے نکلتا ہے تو اس کے پیچھے ستر ہزار فرشتے ہوتے ہیں وہ اس کے لئے دعا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب یہ تو صرف تیرے لئے جڑا تو اسے جوڑ دے۔ اگر تم سے ممکن ہو کہ تو اپنے جسم سے یہ (ملاقات کا) کام لے تو ضرور ایسا کر۔"

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے بڑے اچھے پیرایہ میں اس ملاقات پر روشنی

ڈالی۔ فرمایا:

اِنَّ رَجُلًا زَارَ اَخًا لَهُ فِی قَرْیَةٍ اُخْرٰی فَاَرْصَدَ اللّٰهُ لَهُ عَلٰی مَدْرَجَتِهٖ مَلَكًا قَالَ اَیْنَ تُرِیْدُ قَالَ اَنَا اُرِیْدُ اَخًا لِیْ فِیْ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ قَالَ هَلْ لَكَ عَلَیْهِ مِنْ نِّعْمَةٍ تَرُبُّهَا قَالَ لَا غَیْرَ اَنِّیْ اَحْبَبْتُهٗ فِی اللّٰهِ قَالَ فَاِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكَ بِاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَبَّكَ كَمَا اَحْبَبْتَهٗ فِیْهِ۔ (مسلم عن ابی ہریرہ، مشکوٰۃ ۴۲۵)

"ایک شخص اپنے بھائی سے جو کسی دوسرے گاؤں میں تھا ملاقات کو چلا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے راستہ پر ایک فرشتہ کو بٹھایا۔ فرشتہ نے اس سے پوچھا "کہاں کا ارادہ ہے؟" اس نے جواب دیا۔ "اس گاؤں میں، میں اپنے بھائی سے ملاقات کو جاتا ہوں۔" فرشتے نے کہا۔ ؟کیا تیرا اس پر کوئی حق نعمت ہے جو وصول کرنے جاتا ہے؟" اس نے کہا "نہیں سوائے اس کے کوئی وجہ نہیں کہ میں اس سے اللہ کے لئے محبت کرتا ہوں۔" فرشتہ نے کہا۔ "مجھے اللہ نے تیری طرف بھیجا ہے اور یہ بشارت دی ہے کہ وہ تم سے ایسی ہی محبت رکھتا ہے جیسی تو اس کی خاطر اپنے دوست سے رکھتا ہے۔"

ایک صاحب نے حضرت معاذ بن جبلؓ پر اپنی محبت کا اظہار کیا اور کہا آپ سے للہ محبت کرتا ہوں۔ انہوں نے ان کو رسول اللہ کی بشارت سنائی کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری محبت ان لوگوں کے لئے واجب ہے جو میرے لئے باہم ساتھ بیٹھتے ہیں۔ میرے لئے ایک دوسرے سے ملنے جاتے ہیں اور میرے لئے ایک دوسرے پر مال خرچ کرتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کے لئے باہمی محبت و ملاقات کا جو اجر آخرت میں ہے اس کی خبر نبی کریمؐ نے یوں دی ہے۔

اِنَّ فِی الْجَنَّةِ لَعُمُدًا مِنْ یَاقُوْتٍ عَلَیْهَا غُرَفٌ مِنْ زَبَرْجَدٍ لَهَا اَبْوَابٌ مُفَتَّحَةٌ تُضِیْئُ كَمَا یُضِیْئُ الْكَوْكَبُ الدُّرِّیُّ فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ یَسْكُنُهَا – قَالَ

اَلْمُتَحَابُّوْنَ فِی اللّٰهِ وَ الْمُتَجَالِسُوْنَ فِي اللّٰهِ مُتَلَاقُوْنَ فِي اللّٰهِ - ر ئی عن ابی ہریرہ، مشکوۃ، ۲۷)

"جنت میں یاقوت کے ستون ہیں اور ان پر زبرجد کے بالا خانے اور ان کے دروازے ایسے چمکدار ہیں جیسے تارے چمکتے ہیں۔ صحابہؓ نے پوچھا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ ان میں کون رہے گا؟ آپ نے فرمایا وہ جو اللہ کے لئے باہم محبت رکھتے ہیں۔ ساتھ مل کر بیٹھتے ہیں اور ایک دوسرے کی ملاقات کو جاتے ہیں۔"

باہمی ملاقات اور محبت کی اتنی تاکید اور اس کے لئے اتنے بڑے اجر کی بشارت صرف اس وجہ سے نہیں ہے کہ یہ محبت کا ایک لازمی تقاضا ہے یا یہ کہ اس سے محبت میں زیادتی و اضافہ ہوتا ہے بلکہ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انسان کو صحیح راہ پر قائم رکھنے کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ اس کے مخلص دوست اس کو سہارا دیتے رہیں۔ اور یہ چیز ملاقاتوں اور گفتگوؤں سے ہی ممکن ہے۔ پھر یہ کہ انسان ملتا تو لازماً رہتا ہی ہے۔ اگر اس کی ملاقاتیں اس کے پورے اجر و ثواب کی تمنا سے اپنے بھائیوں سے ہوں گی جو اس کے ہم مقصد ہیں اور اگر ان ملاقاتوں میں اللہ کو یاد رکھا جائے تو یہ ملاقاتیں ہی اس کی سیرت کی تعمیر اور کردار کے ارتقا میں بڑا اہم اور نمایاں حصہ ادا کریں گی۔

ان احادیث اور ان دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ ایک مومن کو اپنے دوسرے مومن بھائی سے زیادہ ملاقات کی کوشش کرنی چاہئے الا یہ کہ طبعی مجبوری ہو۔ اس سے نہ صرف یہ کہ تعلق پروان چڑھے گا بلکہ وہ ستر ہزار فرشتوں کی دعائے مغفرت اور اللہ کی محبت کا حقدار ہوجائے گا اور یہ بھی کہ ملاقات کے وقت ان احادیث و ہدایات کو سامنے رکھنا چاہئے تاکہ اس ملاقات کے فی اللہ ہونے کا شعور ذہن میں پس پشت نہ چلا جائے۔

۱۵- عیادت:

ملاقات کی ایک مخصوص صورت جس کو ایک مسلمان پر اس کے بھائی کا حق قرار دیا گیا ہے' یہ ہے کہ وہ اپنے بیمار بھائی کی عیادت کو جائے۔ ایک بیمار انسان اپنی نفسیاتی و جسمانی کیفیت کی بنا پر دوسروں کی ہمدردی اور خدمت کا محتاج ہوتا ہے اور اس موقع پر اس کا کوئی بھائی یہ چیزیں اسکو فراہم کر دے تو یہ ہمدردی اور خدمت ایک ایسا گہرا اثر دل پر چھوڑتی ہے جو تعلقات کے استحکام میں مفید ہوتا ہے۔

عام طور پر عیادت کے معنی صرف اتنے سمجھے جاتے ہیں کہ بیمار کی مزاج پرسی کی جائے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بیمار پرسی اس کی کم سے کم نوعیت ہے ورنہ غم خواری' تیمار داری اور خدمت گذاری بھی اسی کے تحت آتے ہیں۔ پھر اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ عیادت سے مراد صرف مزاج پرسی ہے تو سوچنا چاہئے کہ جب مزاج پرسی کی اتنی تاکید اور اتنا اجر ہے تو غم خواری' تسلی و تشفی اور تیمار داری کا کیا درجہ ہوگا۔

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان کے اوپر حقوق کی جو مشہور احادیث ہیں اور جن میں چھ یا سات امور بیان کیے گئے ہیں ان میں سے ہر ایک میں عیادت کی بطور ایک حق کے تاکید کی گئی ہے۔

وَاِذَامَرِضَ فَعُدْهُ۔

"جب وہ بیمار پڑے تو اس کی عیادت کرو۔"

اللہ کے رسول ؐ نے انتہائی موثر پیرایہ میں بندوں کے حقوق کی تلقین کرتے ہوئے ایک دفعہ اس امر کی وضاحت کی کہ یہ حقوق اصل میں اللہ کی طرف سے عاید ہوتے ہیں اور اللہ قیامت کی دن خود مدعی بن کر ان کے بارے میں جواب طلب کرے گا۔ چنانچہ عیادت کے بارے میں آپ ؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پوچھے گا۔ "اے آدم کے بیٹے میں بیمار پڑا تو نے میری عیادت نہ کی۔" وہ کہے گا "اے میرے رب تو سارے جہان کا رب

تھا۔ میں تیری عیادت کیونکر کرتا۔" فرمائے گا "کیا تجھے خبر نہ ہوئی کہ میرا بندہ بیمار ہوا۔ مگر تو نے اس کی عیادت نہ کی۔ اگر کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔" ایک بیمار کی عیادت کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا ترغیب ہو سکتی ہے کہ بندہ اس کے ذریعے سے اپنے آقا کو پاسکے گا۔

اس عیادت کے ثواب کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ الْمُسْلِمَ اِذَا عَادَ اَخَاہُ الْمُسْلِمَ لَمْ یَزَلْ فِی الْجَنَّۃِ حَتّٰی یَرْجِعَ ۔ (احمد ترمذی عن ابی ماء: ۴۰۲)

"جب مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کو جاتا ہے تو واپسی تک جنت کے میوے چنتا رہتا ہے۔

مَامِنْ مُسْلِمٍ یَعُوْدُ مُسْلِمًا غُدْوَۃً اِلَّا صَلّٰی عَلَیْہِ۔ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَکٍ حَتّٰی یُمْسِیَ وَاِنْ عَادَہٗ عَشِیَّۃً اِلَّا صَلّٰی عَلَیْہِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَکٍ حَتّٰی یُصْبِحَ وَکَانَ لَہٗ خَرِیْفٌ فِی الْجَنَّۃِ ۔ (ترمذی و ابو داؤد عن علی مشکوۃ ۱۳۵)

اور مزید یہ کہ جب مسلمان دوسرے مسلمان کی عیادت صبح کو کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں یہاں تک کہ شام ہو جائے اور شام کو عیادت کرتا ہے ستر ہزار فرشتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں یہاں تک کہ صبح ہو جائے۔ اس کے لئے جنت میں میووں کے باغات ہیں۔

مَنْ عَادَ مَرِیْضًا لَمْ یَزَلْ یَخُوْضُ الرَّحْمَۃَ حَتّٰی یَجْلِسَ فَاِذَا جَلَسَ اِغْتَمَسَ فِیْھَا ۔

"مالک و احمد عن جابر، مشکوۃ ۲۸)

"جو شخص مریض کی عیادت کو جاتا ہے وہ رحمت کے دریا میں داخل ہو جاتا ہے اور جب مریض کے پاس بیٹھتا ہے تو رحمت میں غرق ہو جاتا ہے۔

آپ نے فرمایا:

اِتْمَامُ عِيَادَةِ الْمَرِيْضِ اَنْ يَضَعَ اَحَدُكُمْ يَدَهٗ عَلٰى جَبْهَتِهٖ اَوْ عَلٰى يَدِهٖ فَيَسْأَلُهٗ كَيْفَ هُوَ۔ (ترمذی عن ابی امامہ ۴۰۲)

"مریض کی عیادت یہ ہے کہ عیادت کرنے والا اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ یا پیشانی پر رکھ دے اور اس سے پوچھے کہ وہ کیسا ہے؟"

عیادت کے کچھ آداب ہیں۔ اس میں سب سے اہم چیز مریض کی تسلی اور تشفی اور دل داری ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کا حکم یوں دیا کہ:

اِذَا دَخَلْتُمْ عَلٰى مَرِيْضٍ فَنَفِّسُوْا لَهٗ فِيْ اَجَلِهٖ فَاِنَّ ذٰلِكَ لَا يَرُدُّ شَيْئًا وَّيُطَيِّبُ بِنَفْسِهٖ (ترمذی و ابن ماجہ عن ابی سعید۔ مشکوۃ ۱۳۷)

"جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو اس کو تسکین دو اور تسلی دو۔ یہ اگرچہ حکم الٰہی کو تو نہیں روک سکتی لیکن مریض کے دل کو خوش کر دیتی ہے۔"

رسول اللہ ﷺ خود جب کسی کی عیادت کو جاتے تو مریض کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے، تسلی دیتے اور فرماتے "لَا بَأْسَ طَهُوْرٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ۔" پھر اس سے یہ پوچھتے کہ کسی خاص چیز کو اس کا دل چاہتا ہے۔ صحابہؓ سے آپ یہ فرماتے کہ جب کوئی کسی کی عیادت کے لئے جائے تو اس کے ہاتھ اور پیشانی پر ہاتھ رکھے اور اس کو تسلی دے اور اس کے شفا پانے کے لئے خود اسے دعا دے۔ (ابی داؤد، سیرت النبی ج ٦ ص ۳۰۹)

پھر اس سے بھی منع فرمایا کہ مریض کے پاس زیادہ دیر تک بیٹھا جائے یا شور و غل کیا جائے۔

٦۔ اظہارِ جذبات:

دل میں اگر محبت کے جذبات ہوں تو وہ خود بخود اپنے اظہار کے متقاضی ہوتے ہیں۔ جذبات کے اظہار سے ہمیشہ دو فائدے ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ جو شخص اپنے

جذبات کو پھوٹ نکلنے کا موقع دیتا ہے اس کے جذبات میں ہمیشہ تازگی رہتی ہے، حرارت رہتی ہے اور ان میں ارتقا ہوتا رہتا ہے اور اگر جذبات کو سینہ میں مدفون کر کے رکھ دیا جائے تو گھٹ گھٹ کر ان پر مردنی چھا جاتی ہے۔ ارتقا رک جاتا ہے۔ شگفتگی اور تازگی سے محروم ہو جاتے ہیں اور اس طرح آہستہ آہستہ وہ تنزل کی طرف جانے لگتے ہیں۔ جذبات کے اظہار کا دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ یہ باہمی تعلقات کو زیادہ مستحکم کرنے کا سبب بنتا ہے۔ جب ایک شخص اس کیفیت سے آگاہ ہوگا جو اس کے لئے اس کے بھائی کے دل پر طاری ہے اور جب اسے یہ معلوم ہوگا کہ اس کا بھائی اپنے سینہ میں اس کے لئے کتنے پیار و محبت اور اخوت کے جذبات رکھتا ہے تو لامحالہ اس کے دل پر گہرا تاثر پیدا ہوگا۔ اپنے بھائی کے جذبات میں الفت و محبت پیدا ہوگی اور خود اس کے دل کا اظہار نہ ہو تو پھر دو بھائی باوجود اچھے جذبات رکھنے کے کبھی بھی الفت و محبت کے زیادہ مستحکم تعلقات قائم نہ رکھ سکیں گے۔

پھر اگر ایک مسلمان سے اس کا بھائی محبت رکھتا ہے تو اس کا یہ حق ہے کہ وہ اپنے بھائی کے دلی جذبات سے آگاہ ہو۔ اس لئے بھی کہ وہ ان جذبات کے جواب میں اپنے سینہ میں برابر کے جذبات پروان چڑھا سکے اور اس لئے بھی کہ وہ لاعلمی میں ایسا طرز عمل اختیار نہ کر جائے جو اس جذبہ محبت کے تقاضوں سے متصادم ہو یا اس کے مطابق نہ ہو جو اس کے بھائی کے سینہ میں اس کے لئے موجود ہے۔

اس لئے دو مسلمان بھائیوں کی باہمی محبت کو پروان چڑھانے کے لئے بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط بات نہ ہوگی کہ اکثر حالات میں فساد سے بچانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ محبت کو مخفی نہ رکھا جائے اور اپنے جذبات کو کھل کر ظاہر ہونے دیا جائے۔ فساد اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ ایک شخص اپنے بھائی سے محبت رکھتا ہے اور وہ اپنی محبت کو مختلف طریقوں سے ظاہر کرتا ہے لیکن اس کا بھائی باوجود اپنے دل میں محبت رکھنے کے ٹک ٹک

دیدم' دم نہ کشیدم کا مصداق بنا رہے اور مہربہ لب رہے تو لازماً وہ اس طرح اپنے اس بھائی کے دل میں بدگمانی' بد دلی اور دوری پیدا کرنے کا باعث ہوگا جو اسے اپنی محبت کی خبر دے دیتا ہے۔

دل میں پوشیدہ محبت' الفت اور پیار کے جذبات جب پھوٹ کر باہر نکلتے ہیں تو وہ بے شمار راہیں اختیار کرتے ہیں۔ انسان کی ایک ایک حرکت و سکنت اس کے بھائی کے جذبات کا اظہار کرتی ہے۔ یہ اظہار عمل سے بھی ہوتا ہے اور زبان سے بھی' حسن سلوک' حاجت روائی' دلسوزی کے ساتھ احتساب اور اصلاح کی کوشش' دعوت طعام' خندہ پیشانی' مسکراہٹ' معانقہ' دکھ درد میں شرکت' اور اپنے ذاتی معاملات میں اعتماد کچھ ایسی چیزیں ہیں جو عمل سے ان جذبات کو ظاہر کرتی ہیں۔ ان میں سے کچھ پر ہم گفتگو کر چکے ہیں اور کچھ پر آگے چل کر کریں گے۔ حرکات و سکنات اور عمل کے ساتھ ساتھ جو دوسری بڑی قوت ہے وہ زبان ہے۔ زبان سے نکلی ہوئی ایک دل آزار بات جس طرح تیر کی طرح دل پر اثر کرتی ہے اور اس کے زخم کا اندمال مشکل ہوتا ہے' اسی طرح زبان سے نکلی ہوئی اچھی بات دل پر ایسا اچھا گہرا اثر چھوڑتی ہے کہ دوسرے انسان کے لئے اس کا اندازہ بھی مشکل ہوتا ہے اس لئے زبان کے بارے میں ہم نے دیکھا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے سب سے زیادہ محتاط رہنے کا مشورہ دیا ہے۔ جہاں یہ ایک طرف تعلقات کو فساد و اختلال کی انتہائی پستیوں تک پہنچانے کا سبب بن سکتی ہے۔ اگر ایک انسان اس سے صحیح قسم کا کام لے تو یہ باہمی تعلقات کو لطف و محبت کی بلند ترین منازل تک پہنچا سکتی ہے۔ اس کا اندازہ بہت کم لوگ کرتے ہیں۔ اکثر زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کے چند مجموعے جو دوسرے انسان تک محبت و الفت کے جذبات منتقل کر رہے ہیں' انسانی دل کو کتنا خوش کر دیتے ہیں۔ بعض دفعہ بڑے سے بڑا حسن سلوک بھی اس کی برابری نہیں کر سکتا۔ اور کتنے لوگ ہیں جو ایک اچھی بات' ہمت افزا جملہ' دل کو خوش کر دینے

والی بات بول دینے میں بخل کر جاتے ہیں اور اس طرح نہ صرف یہ کہ وہ اپنے بھائی کے دل کو بے انتہا خوش کرنے کی سعادت سے محروم ہو جاتے ہیں جس کے بارے میں یہ ہے کہ ”جس نے مسلمان بھائی کے دل کو خوش کیا اس نے اللہ کے رسول ؐ کو خوش کیا اور جس نے اللہ کے رسول ؐ کو خوش کیا اس نے اللہ کو خوش کیا اور جس نے اللہ کو خوش کر دیا تو وہ اسے جنت میں داخل کر دے گا“ بلکہ اس کے برعکس بعض دفعہ محبت آمیز بات نہ کہہ کر اس کے دل کو تکلیف پہنچا دیتے ہیں اور بعض اوقات کسی جملہ کو بے پروائی اور بے نیازی سے بول دیتے ہیں۔ اس کے بارے میں آیا ہے ”کہ جس نے کسی مسلمان کو ستایا اس نے اللہ کو ستایا“ زبان کے جذبات کے اظہار کے طریقوں میں اپنی محبت کا اظہار سلام دعا، نرم اور محبت آمیز جملے، غم گساری وغیرہ مختلف چیزیں آتی ہیں، زبان کی اہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے آپ نے اپنے صحابہ کے سامنے اس حشر کا نقشہ پیش کیا ”جب آدمی کے اردگرد آگ ہی آگ ہوگی اور یا پھر اس کے اعمال ہوں گے اور اس وقت اللہ تعالیٰ براہ راست احتساب کرے گا اور پھر ہدایت کی کہ اس آگ سے بچو اگر کھجور کا ایک ٹکڑا ہی دے کر کیوں نہ ہو اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو کم از کم بھلی بات ہی کہو“ اور پھر سارے دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے اور سارے پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد ہم باسانی سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس سلسلہ میں کیا ہدایات دی ہیں اور کیوں دی ہیں اظہار محبت کے سلسلہ میں آپ ؐ نے یہ فرمایا کہ: کیا خوب فرمایا:

اِذَا اَحَبَّ الرَّجُلُ اَخَاهُ فَلْيُخْبِرْهُ اَنَّهُ يُحِبُّهُ (ابوداؤد، ترمذی، عن مقدام بن سعد، ۴۲۶)

”جب کوئی اپنے بھائی سے محبت کرے تو اس کو چاہئے کہ وہ اسے خبر کر دے کہ وہ اس سے محبت رکھتا ہے۔“

اور اسی طرح ایک دفعہ آپ کے سامنے سے ایک شخص گزرا اس وقت آپ کے

پاس لوگ بیٹھے ہوئے تھے ان لوگوں میں سے ایک نے کہا کہ میں اس شخص کو اللہ کے لئے محبوب رکھتا ہوں:

فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَعْلَمْتَہٗ قَالَ لَا قَالَ قُمْ اِلَیْہِ فَاَعْلِمْہُ فَقَامَ اِلَیْہِ فَاَعْلَمَہٗ فَقَالَ اَحَبَّکَ الَّذِیْ اَحْبَبْتَنِیْ لَہٗ (بیہقی ترمذی، مشکوٰۃ ۴۲۶)

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا کیا تو اس کی علم میں لے آیا اس نے عرض کیا "نہیں" فرمایا "جاؤ اور اس کے علم میں لے آؤ کہ تم اس سے اللہ کے لئے محبت کرتے ہو" پھر وہ کھڑا ہو گیا اور پھر اس کو جاکر بتا دیا "اس نے کہا کہ تجھ سے وہ ذات محبت کرے کہ جس کی رضا کی خاطر تو مجھ سے محبت کرتا ہے۔"

حضرت ابو ہریرہؓ ایک دفعہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن بن علیؓ کا بوسہ لیا۔ اس وقت آپ کے پاس اقرع بن حابسؓ بیٹھے تھے، انہوں نے آپ کو بوسہ دیتے دیکھ کر کہا کہ میرے دس بیٹے ہیں میں نے ان میں سے کبھی کسی کا بوسہ نہیں لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا "جو رحمت سے خالی ہوتا ہے اس پر رحمت نہیں کی جاتی"

مَنْ لَا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمُ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ ۴۰۱)

اور ایک دوسری حدیث میں اس قسم کے الفاظ ہیں کہ اگر اللہ نے تمہارے دل کو رحمت سے محروم کر دیا تو میں کیا کروں۔ اظہار جذبات کا بہترین موقع ملاقات کے وقت ہوتا ہے اور ملاقات کی ضرورت اور اہمیت تو آپ کو معلوم ہے، اسے دیکھئے کہ اظہار جذبات کے لئے ملاقات کو کیسا ہونا چاہئے۔

۷۔ محبت اور خوش اخلاقی سے ملاقات کرنا:

تعلقات کو ۔۔۔ بڑھانے میں حسن سلوک کے بعد اگر کوئی چیز سب سے زیادہ موثر

ہے تو وہ ملاقات ہے لیکن شرط یہ ہے کہ ان ملاقاتوں میں ایک طرف تو "بد کلامی، طعن و طنز، تمسخر، وغیرہ" عیوب کے ذریعے دل آزاری نہ ہو، اور دوسری طرف اس طرح ملا جائے کہ انداز ملاقات سے محبت کے جذبات ٹپکتے ہوں۔ اس سلسلہ میں ہم کو بے شمار ہدایات احادیث سے ملتی ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ ملاقات میں درشتی و سختی یا بے نیازی ولاپرواہی کی بجائے جو دل کے لئے تکلیف دہ اور دلوں کو پھاڑنے والی ہوتی ہے نرمی، اور نرم خوئی، ہو نرم آدمی کے بارے میں رسول خدا ﷺ نے فرمایا:

أُخْبِرُكُمْ بِمَنْ يَحْرُمُ عَلَى النَّارِ وَبِمَنْ تَحْرُمُ النَّارُ عَلَيْهِ عَلَى كُلِّ هَيِّنٍ لَيِّنٍ قَرِيبٍ سَهْلٍ (احمد، ترمذی، عن ابن مسعود، مشکوۃ ۴۳۲)

"میں تمہیں اس شخص کا پتہ دیتا ہوں جس پر جہنم کی آگ حرام ہے اور وہ آگ پر حرام ہے یہ وہ شخص ہے جو نرم مزاج، نرم طبیعت اور نرم خو ہو۔"

اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ آدمی خندہ پیشانی سے ملے اور دیکھ کر مسکرا دے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں چیزوں کی نصیحت کی ہے۔

ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ:

لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا وَلَوْ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلِيقٍ۔ (مسلم ص ۳۹۹)

"نیکیوں میں سے کسی کو حقیر نہ سمجھو اگرچہ وہ اتنی ہی ہو کہ تم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملو۔"

اور ایک جگہ فرمایا کہ "اپنے بھائی کو دیکھ کر مسکرا دینا بھی صدقہ ہے۔"

بے پروائی سے نہ ملے بلکہ توجہ سے ملے اور دوسرے پر اظہار کر دے کہ یہ ملاقات اس کے دل کی خوشی کا باعث ہو رہی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ

میں صحابہؓ یہ کہتے ہیں کہ آپ کسی کی طرف متوجہ ہوتے تو پورے جسم سے ہوتے۔ اسی طرح آپ کے بارے میں ایک واقعہ بیہقی نے نقل کیا ہے کہ آپؐ مسجد میں ایک مجلس میں بیٹھے تھے۔ ایک آدمی آیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے لئے اپنے جسم کو حرکت دی۔ اس نے کہا یارسول اللہ جگہ میں کافی گنجائش ہے۔ نبی کریمؐ نے فرمایا:

اِنَّ لِلْمُسْلِمِ لَحَقًّا اِذَا اَرَاہُ اَخُوْہُ اَنْ یَّتَزَحْزَحَ لَہٗ۔ (عن عمر بن الخطاب۔ ترجمان السنہ ص ۲۷۰)

"مسلمان کا یہ حق ہے کہ جب اس کا بھائی اسے دیکھے تو اس کے لئے حرکت کر جائے۔"

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں "جب زید بن حارثہ مدینہ میں آئے اور رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی۔ باہر سے دروازہ کھٹکھٹایا تو رسول اللہ ﷺ باندھے بغیر صرف چادر کو کھینچے ہوئے باہر تشریف لے گئے۔ خدا کی قسم میں نے نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد آپؐ کو اس حالت میں دیکھا۔ آپؐ نے جوش محبت سے زیدؓ کو گلے لگایا اور بوسہ دیا۔" اسی طرح جب حضرت جعفر طیارؓ حبشہ سے واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو گلے لگاکر آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ حضرت عکرمہ بن ابوجہل جب آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے کہا۔ "ہجرت کرنے والے سوار کو مرحبا۔"

۸۔ سلام:

سلام کے ذریعہ اظہار جذبات کو ایک متعین صورت عطا کر کے اسے بھی ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر حقوق میں شامل کر دیا ہے۔ اس میں ایک طرف جذبات کا اظہار ہوتا ہے اور دوسری طرف اپنے بھائی کے لئے دعا کے ذریعہ خیر خواہی بھی۔ جب نبی کریم ﷺ نے مدینہ آکر پہلا خطبہ دیا تو چار باتوں کی ہدایت کی اور ان میں سے ایک یہ تھی۔

وَاَفْشُوا السَّلَامَ "سلام کو (اپنے درمیان) پھیلاؤ۔

اس سے بھی زیادہ اہمیت اس حدیث سے ظاہر ہوتی ہے۔

آپ ؐ نے فرمایا:

لَاتَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَاتُؤْمِنُوْاحَتّٰى تَحَابُّوْا اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْئٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ اَفْشُوْا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ۔ (عن ابی ہریرۃ، مشکوۃ ۳۹۷)

"تم ہرگز جنت میں داخل نہ ہوگے یہاں تک کہ مومن نہ ہو جاؤ۔ اور مومن اس وقت تک نہ ہوگے جب تک باہم محبت نہ کرنے لگو۔ کیا میں تمہیں ایسی چیز کا پتہ نہ دوں جس کو اختیار کر کے تم باہم محبت کرنے لگو، وہ یہ ہے کہ تم آپس میں سلام پھیلاؤ۔"

اور ایک مرتبہ مسلمان پر مسلمان کے چھ حقوق بتاتے ہوئے آپ ؐ نے فرمایا:

يُسَلِّمُ عَلَيْهِ اِذَا لَقِيَهُ (مشکوۃ ص ۱۹۷)

"اس پر سلام کرے جب بھی اسے ملے۔"

اس سلسلہ میں خاص طور پر سلام پر سبقت کرنے اور اولیت کا شرف حاصل کرنے کی تحریض کی گئی ہے۔ آپ ؐ نے فرمایا:

"سلام میں پہل کرنے والا تکبر سے پاک ہوتا ہے۔"

نیز یہ بھی فرمایا کہ: اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاللّٰهِ مَنْ بَدَاَءَ بِالسَّلَامِ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، عن ابی امامہ مشکوۃ ۳۹)

"اللہ کی رحمت سے زیادہ قریب لوگوں میں وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔

اور ظاہر ہے کہ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان آگے بڑھ کر اپنے بھائی کے لئے دعا کرے اور اس طرح اپنے جذبات کو ظاہر کرے۔ رسول اللہ ؐ جہاں گزرتے وہاں سلام میں پہل کرتے خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ مرد یا عورت یا بچے بلکہ بچوں پر سلام کرنے میں آپ ؐ

خاص طور پر عمل کرتے۔ سلام کی کثرت کی آپ نے اس طرح نصیحت کی کہ:

اِذَا لَقِیَ اَحَدُکُمْ اَخَاہُ فَلْیُسَلِّمْ عَلَیْہِ فَاِنْ حَالَتْ بَیْنَھُمَا شَجَرَۃٌ اَوْجِدَارٌ فَلْیُسَلِّمْ عَلَیْہِ (ابوداؤد عن ابی ہریرہ مشکوٰۃ ۳۹۹)

"جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے ملے تو اسے سلام کرے۔ پھر اگر ان دونوں کے درمیان کوئی درخت' دیوار' پتھر یا کوئی آڑ آجائے اور پھر ملے تو پھر سلام کرے۔

خاص طور پر آپؐ نے گھر والوں پر سلام کی نصیحت کی اور حضرت انسؓ سے کہا کہ:

یَابُنَیَّ اِذَا دَخَلْتَ عَلٰی اَھْلِکَ فَسَلِّمْ تَکُنْ بَرَکَۃٌ عَلَیْکَ وَعَلٰی اَھْلِ بَیْتِکَ۔ (ترمذی' مشکوٰۃ ۳۹۹)

"اے بیٹے جب تو اپنے گھر میں داخل ہو تو سلام کر۔ یہ تیرے اور تیرے گھر والوں کے لئے برکت کا باعث ہوگا۔

سلام کے ذریعہ محبت میں اضافہ اس وقت ہو سکتا ہے جب صحیح شعور کے ساتھ ہو' ایک بھائی دوسرے بھائی سے سلامتی کی دعا کر رہا ہو اور اس پر ظاہر کر رہا ہو کہ وہ محبت و خیر خواہی کے کتنے جذبات اپنے دل میں رکھتا ہے۔ ورنہ جیسا سلام آج کل رائج ہے بطور عادت دو لفظ منہ سے نکل جاتے ہیں تو ظاہر ہے یہ محبت میں اضافہ کا سبب نہیں بن سکتا۔

۹۔ مصافحہ:

سلام کے بعد دوسری چیز جو ملاقات کے وقت اپنے جذبات محبت کے اظہار کے لئے رسول اللہ ﷺ نے بتائی وہ مصافحہ ہے۔ حضرت انسؓ سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کے اصحابؓ میں مصافحہ کا رواج تھا؟ انہوں نے کہا "ہاں"۔ (بخاری' مشکوٰۃ ۴۰۱)

دراصل مصافحہ سلام کے تمتہ یا تکمیل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی سلام کی پوری اسپرٹ اس سے ہی مکمل ہوتی ہے۔ رسول اللہؐ نے خود اس چیز کو واضح کیا

"تَمَامُ تَحِیَّاتِکُمْ بَیْنَکُمُ الْمُصَافَحَةُ" (احمد ترمذی عن ابی امامہ مشکوۃ ۴۰۲)

"تمہارے باہمی سلام کی تکمیل مصافحہ سے ہوتی ہے۔

مصافحہ کے بارے میں رسول اللہؐ نے یہ بھی فرمایا کہ "مصافحہ کیا کرو اس لئے کہ اس سے بغض دور ہوتا ہے۔"

اور مصافحہ کے اجر کے سلسلہ میں جو خوشخبری رسول اللہ ﷺ نے دی ہے وہ یہ ہے کہ:

مَامِنْ مُسْلِمَیْنِ یَلْتَقِیَانِ فَیَتَصَافَحَانِ اِلَّا غُفِرَ قَبْلَ اَنْ یَّتَفَرَّقَا فِیْ رِوَایَةٍ اُخْرٰی فَتَصَافَحَا وَحَمِدَ اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَاہُ اللّٰہُ غُفِرَلَھُمَا۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد عن ابی عازب، مشکوۃ ۴۸)

"جب دو مسلمان ملیں اور مصافحہ کریں تو ان کے جدا ہونے سے پیشتر ان کو بخش دیا جاتا ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ مصافحہ کریں خدا کی حمد کریں اور اس سے مغفرت چاہیں تو ان کو بخش دیا جاتا ہے۔"

۱۰۔ اچھے نام سے یاد کرنا:

جو شخص بھی انسانی نفسیات سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ انسان کی فطری خواہش ہوتی ہے کہ اس کو بہتر انداز میں پکارا جائے اور جتنے محبت بھرے لہجہ اور یگانگت کے انداز میں وہ مخاطب کیا جائے گا، اتنا ہی اس کا دل پکارنے والے کی محبت اور خلوص سے متاثر ہوگا۔ اس معاملہ میں کبھی بخل نہ کرنا چاہئے بلکہ اس بات کی پوری کوشش کرنی چاہئے کہ آدمی اپنے بھائی کو ایسے انداز میں پکارے جس سے اس کی محبت کے جذبات چھلکتے ہوں۔ سید احمد شہید کی تحریک میں ہر شخص اپنے برابر والوں اور بڑوں کو اس کے نام کے ساتھ بھائی لگا کر پکارتا تھا اور چھوٹوں کا صرف نام لیا جاتا تھا۔ یہ معاملہ اس طرح پکارنے کا ہے جس سے محبت چھلکتی ہو اور جس سے دوسرے کا دل خوش ہو، اس کی

تو ایک پر خلوص اور محبت آمیز تعلق میں گنجائش ہی نہیں کہ بھائی اپنے بھائی کو اس طرح پکارے جو اس کو ناگوار ہو۔ خوش کلامی کی تمام احادیث اس معاملہ پر منطبق ہوتی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کتنی صحیح بات کہی جب آپ نے یہ بتاتے ہوئے کہ دوستی کن چیزوں سے مضبوط ہوتی ہے۔ فرمایا" دوست کو اچھے نام سے بلایئے" (کیمیائے سعادت ۲۳۸)

۱۱۔ شخصی اور ذاتی امور میں دلچسپی:

پر خلوص محبت کا یہ ایک حق ہے کہ آدمی اپنے بھائی کے شخصی اور ذاتی معاملات میں اتنی ہی دلچسپی لے جتنی وہ اپنے شخصی اور ذاتی معاملات میں لیتا ہے جب ملے تو اس کے ذاتی حالات پوچھے۔ ان میں پوری دلچسپی کا اظہار کرے۔ اس طرح ایک طرف تو ایک بھائی کو دوسرے بھائی کی خیر خواہی کا یقین ہوتا ہے دوسرے ایک بھائی کے جذبات دوسرے پر ظاہر ہوں گے اور یہ چیز تعلق کے استحکام کا سبب بنے گی۔

نبی کریمؐ نے اپنے ساتھیوں کو آپس میں شخصی و ذاتی طور پر تفصیلی تعارف کی ہدایت کرتے ہوئے اس مصلحت پر بھی روشنی ڈالی۔ آپ نے فرمایا:

اِذَا اٰخَی الرَّجُلُ الرَّجُلَ فَلْیَسْئَالْهُ عَنْ اِسْمِهٖ وَ اسْمِ اَبِیْهِ وَ عَنْ مِمَّنْ هُوَ فَاِنَّهٗ اَوْصَلُ لِلْمَوَدَّةِ۔

(ترمذی عن یزید بن لغایہ۔ مشکوۃ ۴۲۷)

"جب ایک آدمی دوسرے آدمی سے بھائی چارہ کرے تو اس سے اس کا نام اس کے باپ کا نام اور اس کے قبیلہ کا نام پوچھ لے اس لئے کہ اس سے باہمی محبت کی جڑیں زیادہ مضبوط ہوتی ہیں۔"

ذاتی نام وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو آدمی کے شخصی معاملات کا ہی ایک جزو ہیں اور اس طرح یہ حدیث اس اصول کی طرف اشارہ کرتی ہے جس کو میں نے پیش کیا ہے۔ پھر یہ الفاظ کہ اس سے محبت کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں' اصل حکمت پر بھی روشنی ڈالتے

ہیں۔

۱۲۔ھدیہ:

اپنے بھائی پر اپنی محبت اور خلوص کے اظہار کے لئے ہدیہ دینا تعلق کے استحکام کے لئے نہایت موثر چیز ہے۔ اچھی بات کہنا' اچھے نام سے پکارنا' اپنی محبت کو ظاہر کرنا' یہ سب زبان کے ہدیے ہیں جن کے ذریعے ایک بھائی اپنے بھائی پر محبت ظاہر کرکے اس کو اپنے سے قریب لاتا ہے۔ ٹھیک جس طرح زبان کے ہدیے دل کو خوش کرتے ہیں اور دلوں کو جوڑنے میں اور اپنی طرف کھینچنے میں مدد دیتے ہیں اسی طرح مادی ہدیے بھی ایک دل کو دوسرے دل سے مربوط کرتے ہیں اور اسی طرح باہم محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔ نبی کریمؐ نے جہاں ہدیے دینے کی ترغیب دی وہاں اس کا یہ فائدہ بھی بتایا ہے کہ ہدیہ دلوں کی کدورتوں کو دھو دیتا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

تَهَادُوْا تَحَابُّوْا وَتَذْهَبُ الشَّحْنَاؤُكُم (اَوْ كَمَا قَالَ النَّبِیؐ)۔ (مشکوۃ ص ۴۰۳)

"ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجا کرو تو باہمی محبت پیدا ہوگی اور دلوں سے دشمنی اور بعد دور ہو جائے گا۔

نبی کریم ﷺ خود اپنے ساتھیوں کو کثرت سے ہدیے دیتے۔ آپ کے اصحاب آپ کی خدمت میں اور باہم ایک دوسرے کو بھی ہدیے پیش کرتے۔ اس سلسلہ میں جو باتیں ہم کو پیش نظر رکھنی چاہئیں اور جو ہم کو آپ کے اسوہ سے معلوم ہوتی ہیں' وہ یہ ہیں:

۱۔ ہدیہ ہمیشہ حسب استطاعت دینا چاہئے اور اس بنیاد پر دینے سے رک نہ جانا چاہئے کہ وہ قیمتی یا باحیثیت چیز نہیں دے سکتا۔ جو چیز دلوں کو جوڑتی ہے وہ ہدیہ کی قیمت و حیثیت نہیں ہوتی' بلکہ دینے والے کا خلوص اور اس کی محبت ہوتی ہے۔

۲۔ ہدیہ چاہے کچھ بھی ہو ہمیشہ شکر و امتنان کے جذبات کے ساتھ قبول کرنا چاہئے۔

۳۔ ہدیہ کے بدلے ہمیشہ ہدیہ دینے کی کوشش کرنی چاہئے۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ مساوی حیثیت کے ہدایات ہوں بلکہ ہر فریق اپنی حیثیت کے مطابق دے۔ نبی کریم ﷺ کا یہ اصول تھا کہ آپ ہمیشہ ہدیہ کے بدل کی کوشش کرتے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے لینے سے انکار کر دیا تو آپؐ نے اس پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا۔

۴۔ ہدیہ میں سب سے پسندیدہ چیز آپؐ کے لئے خوشبو تھی۔ آج کے حالات میں اسی صف میں کتاب کو بھی رکھا جا سکتا ہے۔

۱۳۔ شکر گزاری:

جذبات محبت کے اظہار اور دوسرے کی محبت کے احساس کو ظاہر کرنے کا یہ ایک بڑا اچھا طریقہ ہے۔ جب ایک بھائی یہ محسوس کرے کہ اس بھائی کو اس کے محبت کے جذبات اور محبت کے تحت کئے ہوئے کاموں کا پورا احساس ہے اور ان کی قدر و قیمت کو محسوس کرتا ہے تو اس کے دلی تعلق میں اضافہ ہوتا ہے۔ اگر محبت کرنے والے آدمی کو یہ احساس ہو کہ اس کے خلوص و محبت کی کوئی قدر نہیں تو اس کا دل بجھنے لگتا ہے۔ اس لئے جب بھی ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کی کوئی مدد کرے یا اس کے ساتھ حسن سلوک کرے، یا اس سے کوئی اچھی بات کہے یا اس کو کوئی ہدیہ دے تو اس مسلمان بھائی کا فرض ہے کہ وہ اس پر اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کرے اور اس طرح اس کو یہ بتا دے کہ وہ خلوص و محبت کی ہر ادا کی قدر و قیمت اپنے دل میں خوب محسوس کر رہا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے بارہ میں صحابہؓ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی آپ کی خدمت میں کوئی چیز پیش کرتا تو آپؐ اس کا شکریہ ادا کرتے اور آپؐ اس کو قبول کر لیتے اور جب کوئی آپ کا کام کر دیتا تو اس پر اپنے امتنان کا اظہار کرتے۔ (شمائل ترمذی)

۱۴۔ساتھ مل کر کھانا:

کھانے میں ایک دوسرے کے ساتھ شرکت اور ایک دوسرے کو اپنے گھر کھانا کھانے کی دعوت دینا بھی خلوص اور محبت کے جذبات کے اظہار کا ایک عملی طریقہ ہے۔ ایسے مواقع پر نہ صرف بے تکلفی سے گفتگو کے مواقع ملتے ہیں بلکہ جب ایک مسلمان بھائی اپنے بھائی کو اپنے گھر پر کھانا کھانے کی دعوت دیتا ہے تو جس شخص کو مدعو کیا جاتا ہے اس کے دل میں یہ احساس پیدا ہوجاتا ہے کہ میرا بھائی میرے لئے اپنے دل میں اچھے جذبات رکھتا ہے۔ اور یہ تعلق جہاں بھی پیدا ہوجائے، تعلق کے مزید استحکام کا ضامن ہے۔ صحابہ کرامؓ آپس میں بھی اکثر ایک دوسرے کو مدعو کرتے رہتے تھے اور نبی کریمؐ کو بھی اکثر مدعو کرتے رہتے تھے۔ خود نبی کریم ﷺ کے پاس کھانے کی کوئی چیز ہوتی یا کہیں سے آتی تو پوری مجلس میں اس کو شامل کر لیتے۔ دعوت اور باہم ساتھ مل کر کھانے میں وہ چیزیں سامنے رکھنا ضروری ہیں جو ہدیے کے ضمن میں آچکی ہیں۔ پہلے یہ کہ دعوت پر تکلف کھانوں کو ہی نہیں کہتے بلکہ ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق کھلائے خواہ وہ روزانہ کا کھانا ہو۔ لیکن اس سلسلہ میں کچھ تخصیص اگر برتی جاسکے تو دل پر اچھا اثر ڈالتی ہے۔ جس شخص کو دعوت دی جائے اس کا فرض ہے اس کو قبول کرلے اور شکر و امتنان اور خوشی کے اظہار کے ساتھ قبول کرے اور آخر یہ کہ ہدیہ کی طرح دعوت کے بدل کی بھی کوشش ہونی چاہئے۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی سامنے رکھنی چاہئے کہ شروع میں مسلمانوں کے دلوں میں اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے گھروں میں کھانا کھانے سے جھجک اور رکاوٹ پائی جاتی تھی۔ اس سلسلہ میں اس سلسلہ میں قرآن مجید کی سورہ نور میں اللہ تعالیٰ نے آیات نازل کرکے اس جھجک کو دور کردیا اور بے تکلفی پیدا کی۔

۱۵- دعا:

دعا ایک ایسی چیز ہے جو ایک طرف تو بہت سے حقوق کو ایک مخصوص پہلو سے اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے جن پر ہم گفتگو کر آئے ہیں اور دوسری طرف ایک نئے پہلو سے الفت و محبت کا سبب بنتی ہے۔ دعا میں ایک مسلمان اپنے بھائی کے لئے اپنے رب سے اس کی رحمت و مغفرت طلب کرتا ہے' اس کی بھلائی کا خواستگار ہوتا ہے اور اس کے اصلاح احوال کی درخواست کرتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ہر مسلمان اس پر یقین رکھتا ہے کہ معاملات کی اصل کنجی اللہ کے ہاتھ میں ہے اور جب وہ اپنے بھائی کو دیکھتا ہے کہ وہ اس کے لئے اپنے رب کے آگے دست سوال دراز کر رہا ہے تو وہ بے انتہا متاثر ہوتا ہے۔

دعا غائبانہ بھی ہوتی ہے اور رو در رو بھی۔ دعا کی ایک صورت وہ سلام ہے جس کی مکمل صورت میں انسان اپنے بھائی کے لئے سلامتی و رحمت اور برکت کا طالب ہوتا ہے پھر ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کا یہ بھی حق ہے کہ اگر وہ چھینکے اور الحمد للہ کہے تو اس کے لئے رحمت کی دعا کی جائے۔ (یرحمک اللہ) کہا جائے پھر اپنے مسلمان بھائی کا جنازہ بھی ایک حق ہے اور یہ بھی دعا کی ایک صورت ہے۔ عیادت کا جو مسنون طریقہ ہے اس میں بھی دعا ہے۔

دعا اگر رو در رو ہو جس کے لئے دعا کی جائے اس کے علم میں ہو تو اس پر سب سے پہلا نتیجہ تو یہ مرتب ہوتا ہے کہ وہ اپنے بھائی کی دلی خیر خواہی اور محبت کا قائل ہو جاتا ہے۔ دونوں کے نزدیک اصل مقصد بہر حال اللہ کی رحمت ہوتی ہے اور جب وہ دیکھتا ہے کہ میرا بھائی میرے لئے نہ صرف عملی طور پر بھلائی کی کوشش کرتا ہے بلکہ میری حاجتوں کو اسی طرح اللہ کے سامنے پیش کرتا ہے جس طرح اپنی حاجتیں' میرے دکھ' درد پر اسی طرح تڑپ کر اپنے مالک کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے۔ جس طرح اپنے دکھ درد پر۔ میری

خامیوں اور گناہوں پر' اور اسی طرح مغفرت کا طالب ہوتا ہے جس طرح اپنے گناہوں پر اور میرے لئے اس کی رضا اور رحمت کا اسی طرح طلب گار ہے جس طرح اپنے لئے۔ اور پھر جب وہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ میرا بھائی میرا اتنا خیال رکھتا ہے کہ اچھے موقعوں پر تنہائیوں میں جب وہ اور صرف اس کا رب ہوتے ہیں میں اسے یاد رہتا ہوں تو پھر اس کے دل میں اپنے لئے دعا کرنے والے بھائی کی محبت پیدا ہوتی ہے اور اس طرح اس دعا سے پورے فوائد حاصل ہوتے ہیں جو اظہار جذبات میں ہوتے ہیں۔

دوسری طرف دعا کرنے والا جب کوشش کر کے دوسروں کو دعا میں شریک رکھتا ہے تو اس کے قلبی تعلق میں اضافہ ہوتا ہے اور ساتھ ہی تعلقات میں پاکیزگی آتی ہے۔

مغفرت و رحمت اور حاجت روائی اور مشکلات کو دور کرنے کی دعاؤں کے ساتھ اپنے بھائی کے لئے راہ حق پر استقامت کی دعا اور باہمی الفت کی بھی تلقین کی گئی ہے۔

اَللّٰهُمَّ اَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِنَا وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا۔

اسی طرح دلوں میں ناگواری' غبار یا کدورت کے دور ہونے کی دعا کی تلقین کی گئی ہے۔ اس لئے کہ دلوں میں ایک دوسرے کی طرف سے کدورت' کینہ یا شکایت ایسی بیماری ہے جس کے لئے گڑگڑا کر دعا مانگنی چاہئے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ (سورہ حشر ۱۰)

"اے ہمارے رب' ہم کو اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ایمان میں ہم سے سبقت لے گئے اور ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کی طرف سے کینہ نہ رہنے دے۔"

اگر اپنے بھائی کا نام لے کر یا اس کا خیال کر کے دعا کی جائے تو اس سے مزید تعلق پیدا ہوتا ہے۔ خود اپنے طور پر اپنے بھائی کے لئے رحمت کی دعا کرنا' اللہ تعالیٰ سے اس

کی الفت و محبت کا سوال کرنا اور تعلقات کو خرابی سے بچانے کے لئے گڑگڑانا تو ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے۔ لیکن ایک دوسرے سے اپنے لئے دعا کی درخواست کرنا اور دعاؤں میں شریک رکھنے کی تمنا کا اظہار بھی تعلقات کے لئے مفید ہوتا ہے۔

مثلاً نبی کریمؐ نے یہ فرمایا کہ "جب اپنے بیمار بھائی کے پاس عیادت کے لئے جاؤ تو اس سے بھی اپنے لئے دعا کراؤ اس لئے کہ اس کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔"

اسی طرح جب حضرت عمرؓ حج کو جارہے تھے تو آپ نے چند الفاظ کہے جن کے بارہ میں ان کا کہنا یہ ہے کہ "یہ مجھے اپنی پوری زندگی میں سب سے زیادہ عزیز ہیں۔" اور وہ الفاظ یہ ہیں:

"اے ہمارے بھائی! ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا۔"

۱۶۔ بہتر طریقہ سے جواب دینا:

ایک مسلمان کی یہ کوشش ہونی چاہئے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی محبت و خلوص کا جواب اس سے زیادہ اور بہتر خلوص و محبت سے دے۔ اس لئے بھی کہ کوئی تعلق یک طرفہ محبت سے پروان نہیں چڑھ سکتا۔ اس لئے بھی کہ اس طرح دوسرے بھائی کا دل مطمئن رہتا ہے کہ اس کی محبت نہ تو ضائع کی جارہی ہے اور نہ اس کی ناقدری ہورہی ہے۔ سلام کا جواب بہتر سلام سے دینے، ہدیہ کا جواب ہدیہ سے دینے اور ایک اچھی بات کا جواب ایک اچھی بات سے کہنے کی ہدایات اسی اصول پر روشنی ڈالتی ہیں۔ اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث بھی سامنے رہنی چاہئے۔

"دو محبت کرنے والوں میں بہتر وہ ہے جو اپنے بھائی کے لئے زیادہ محبت کرے۔"

اگر اپنے بھائی کی محبت کے جواب میں بہتر جواب ممکن نہ ہو تو کم از کم برابر کا ہی جواب ہونا چاہئے اور ساتھ ہی اپنی کوتاہی کا اعتراف بھی دل کو متاثر کرتا ہے۔

۱۷۔ صلح کرنا اور شکایت دور کرنا:

تعلقات کی بنیاد کو ذہن میں رکھنے اور ان تمام تدابیر کو اختیار کرنے میں جو ایک طرف تعلقات کو خراب ہونے سے بچاتی ہیں اور دوسری طرف ان میں لطف و محبت اور الفت کے جذبات پیدا کرتی ہیں بہت سی کوتاہیاں اور خامیاں سرزد ہوتی ہیں۔ کسی انسان کے لئے بھی یہ ممکن نہیں کہ اس سے کبھی بھی کسی غلطی کا صدور نہ ہو۔ پھر تعلقات چونکہ اسلامی انقلاب کے لئے ضروری ہیں اس وجہ سے شیطان بھی اس مورچہ پر بڑا سرگرم رہتا ہے اور مستقل ان تعلقات کو خراب کرنے اور ان میں فساد پیدا کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔

تعلقات کے بارے میں جو باتیں کہی گئی ہیں ان کو اگر سامنے رکھا جائے اور اس اصول پر ہمیشہ اپنے آپ کو پرکھا جائے کہ اپنے بھائی کو اپنی جانب سے کوئی جسمانی ایذا یا دل آزاری نہ ہونے دو۔ خواہ یہ دل آزاری زبان سے ہو یا عمل سے، ہر وہ تدبیر اختیار کرنے کی کوشش کرو جس سے تم اپنے بھائی کی مدد کر سکو۔ دینی مدد ہو یا دنیاوی اور اپنے خلوص و محبت کو پوری طرح ظاہر کرو اور دوسرے کے خلوص و محبت کے جواب میں اس سے زیادہ خلوص و محبت یا اتنے ہی خلوص کو پوری طرح ظاہر کرو کہ تم اس کی قدر و قیمت کو اچھی طرح محسوس کرتے ہو تو اس اصول پر عمل کے بعد شیطان کو مشکل ہی سے در اندازی کرنے کا موقعہ ملے گا۔ پھر بھی اگر تعلقات میں خرابی پیدا ہوتی نظر آئے تو چند چیزیں ہر مسلمان بھائی کو اپنے سامنے رکھنی چاہئیں اور ان کو سامنے رکھنے کے بعد اگر کوئی خرابی پیدا ہوگی بھی تو وہ بآسانی دور کی جا سکتی ہے۔ تعلقات کی خرابی کی بنیاد عام طور پر وہ شکایات بنتی ہیں جو ایک مسلمان بھائی کے دل میں دوسرے بھائی کی طرف سے پیدا ہوتی ہیں۔ شکایتیں پیدا ہونے کی بنیادیں بہت سی ہو سکتی ہیں اور اس حصہ میں جن چیزوں پر گفتگو کی گئی ہے وہ انہی بنیادوں کو ختم کرتی ہیں۔ ہر ایک شکایت میں جو چیز مشترک ہوتی ہے

وہ یہ ہے کہ جب کسی مسلمان بھائی کے دل کو اپنے بھائی کے کسی قول یا فعل سے تکلیف پہنچتی ہے تو شکایت پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر بات بڑی ہو تو یہ شکایت خود خرابی تعلقات کے لئے کافی ہوتی ہے اور اگر چھوٹی ہو تو کئی چھوٹی چھوٹی باتیں مل کر ایک شدید احساس پیدا کر دیتی ہیں۔ اس سلسلہ میں وہی باتیں پیش نظر رکھنی چاہئیں جو بدگمانی کے ضمن میں کہی گئی ہیں۔

ایک یہ کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو شکایت کا موقع فراہم نہ ہونے دے۔ اسے اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ اس سے دوسرے کے دل کو کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

دوسرے یہ کہ ہر مسلمان کو اپنے بھائی کے ساتھ وسیع القلبی سے پیش آنا چاہئے۔ حضور اکرمؐ کی اعلیٰ اخلاقی تعلیم کو ملحوظ رکھنا چاہئے اور حتی الوسع اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ کوئی شکایت پیدا نہ ہو اور اگر پیدا ہو تو اسے فوراً دل سے محو کر دیا جائے۔

تیسرے یہ کہ ان دونوں باتوں کے باوجود اگر شکایت پیدا ہو جائے تو پھر اس بات کو کبھی دل میں نہ رکھنا چاہئے۔ اگر بھلانے میں کامیاب نہ ہو تو خواہ چھوٹی بات ہو یا بڑی فوراً اس کو اپنے بھائی پر ظاہر کر دے۔ اپنے بھائی کی طرف سے دل میں ذرا سا بھی میل رکھنا اور اس کے دل کے غبار کے ساتھ اس سے ملنا بد ترین کردار ہے۔ اس میں کوئی تاخیر نہیں ہونی چاہئے بلکہ دل کی صفائی کی اصلاح کی فوراً کوشش کرنی چاہئے۔

چوتھے یہ کہ جس کو شکایت بتائی جائے وہ اس پر ناراض نہ ہو اور ناک بھوں نہ چڑھائے بلکہ اپنے بھائی کا شکر گذار ہو جس نے خیانت کا ارتکاب کرنے کے بجائے اس پر ظاہر کر دیا۔ پیٹھ پیچھے نہ کہا اور پھر یہ کہ تعلق کو اتنا قیمتی سمجھا کہ ذرا بات بھی ہوئی تو فوراً اصلاح کی کوشش کی اور یہ کہ اسے اصلاح کا موقع دیا۔

پانچویں یہ کہ جب اس کو معلوم ہو جائے کہ اس کے بھائی کے دل میں کوئی شکایت

ہے تو فوراً اصلاح کی کوشش کرے۔ جتنی مدت گذرتی ہے اتنی ہی خرابی جڑ پکڑتی جاتی ہے اور جتنی جلدی تازہ تازہ فتنہ کو کچل دیا جائے اتنا ہی بہتر ہوتا ہے۔ پھر اگر واقعی اس سے غلطی ہوئی تو اس غلطی کا کھلے دل سے اعتراف کرے اور اس پر اپنی ندامت کا اظہار کرے۔ اگر اس غلطی کے لئے کوئی عذر ہو تو وہ پیش کرے اور اگر غلطی نہ ہوئی ہو بلکہ کوئی غلط فہمی ہو یا اس کا کوئی معقول عذر ہو تو غلط فہمی کو صاف کر دینے کی کوشش کرے۔ اس سلسلہ میں انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کے یہ الفاظ ایک مسلمان کے اس فریضہ پر موثر ترین انداز میں روشنی ڈالتے ہیں۔

"پس اگر تو قربان گاہ پر اپنی نذر گذارتا ہو اور وہاں تجھے یاد آئے کہ میرے بھائی کو مجھ سے شکایت ہے تو وہیں قربان گاہ کے آگے ہی اپنی نذر چھوڑ دے اور جاکر اپنے بھائی سے ملاپ کر، تب اپنی نذر گزران۔"

یہ بڑی سچے کی بات کہی گئی ہے۔ تمہارا بھائی تم سے ناراض ہو تو تمہارا ایک بہتر انسان بننا اور تمہارے تعلقات کا تمہارے بھائی سے خوشگوار بنیاد پر قائم ہونا مشکل ہے۔ ہم اللہ کو جب ہی خوش کر سکتے ہیں جب عبادت کا اصل مقصد پورا ہو۔ اس لئے نذر پیش کرنے سے پہلے اپنے بھائی کی شکایت دور کرکے اصلاح حال کی کوشش کرنا چاہئے اور اس کام میں دیر نہ کرنا چاہئے۔

اور چھٹی بات یہ کہ جب ایک مسلمان بھائی اپنی غلطی کا اعتراف کرے تو اس کو معاف کر دینا اس کا حق ہے جس سے دست کش نہ ہونا چاہئے اور اگر وہ معذرت پیش کرے تو اس کو معذور سمجھنا اور اس کا عذر قبول کرلینا بھی اس کا حق ہے اور اگر وہ غلط فہمی کی صفائی میں کوئی بات پیش کرے تو اس کی بات پر یقین کرلینا بھی اس کا حق ہے۔ اس موقع پر نبی کریم ﷺ کا ارشاد سامنے رکھنا چاہئے۔

"جس نے اپنے کسی مسلمان بھائی سے اپنی غلطی پر عذر کیا اور اس نے اس کو

معذور نہ سمجھا اس کے عذر کو قبول نہ کیا' اس پر اتنا گناہ ہو گا جتنا ایک ناجائز محصول لینے والے پر اس کے اس ظلم کا ہوتا ہے۔"

ان ہدایات پر عمل اس وقت ممکن ہے جب انسان اپنے تعلقات کی قدر قیمت کو اچھی طرح محسوس کرتا ہو اور اس کے دل میں اپنے بھائی اور اپنے بھائی کے جذبات محبت کی قدر ہو اور ساتھ ہی اسے اچھی طرح یہ احساس ہو کہ تعلقات کی خرابی کتنا بڑا گناہ ہے۔ پہلی چیز کو حصہ اول کی گفتگو اور اسی حصہ کے دوسرے جزو کی گفتگو کے بعد اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے۔ دوسری چیز کے بارے میں بتا چکا ہوں کہ نبی کریمؐ نے ان تعلقات کی خرابی کی اہمیت کو اس طرح واضح کیا ہے کہ یہ ایک مونڈ دینے والا استرا ہے جو پورے کے پورے دین کا صفایا کر دیتا ہے۔ اور جو شخص یہ جانتا ہو کہ اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے وہ لازماً اپنے دین کو ہر قیمت پر محفوظ رکھے گا اور جو اپنے دین کو محفوظ رکھنا چاہے گا وہ حسب استطاعت ان تعلقات کو کبھی خراب نہ ہونے دے گا۔ ایک دوسرے سے ناراض رہنے اور انقطاع تعلق کے بارہ میں نبی کریم ﷺ نے جو تنبیہات کی ہیں وہ بڑی موثر اور بڑی سخت ہیں۔ ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ:

لَا یَحِلُّ لِلرَّجُلِ اَنْ یَّھْجُرَ اَخَاہُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَیَالٍ یَلْتَقِیَانِ فَیُعْرِضُ ھٰذَا وَیُعْرِضُ ھٰذَا وَ خَیْرُھُمَا الَّذِیْ یَبْدَأُ بِالسَّلَامِ "بخاری و مسلم عن ابی ایوب انصاری مشکوٰۃ ۲۳۷)

"کسی مسلمان کے لئے یہ بات حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ ناراض ہو کر چھوڑ دے۔ دونوں میں تو ایک اپنا منہ ادھر کرے اور دوسرا ادھر پھیرے۔ ان دونوں میں بہتر وہ شخص ہے جو سلام سے ابتداء کرے (یعنی خفگی دور کر کے مصالحت کی ابتداء کرے۔"

اس سے مصالحت میں پہل کرنے کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ

اللہ کے ہاں ایسے دو مسلمان بندوں کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے آپ نے فرمایا:

تُعْرَضُ اَعْمَالُ النَّاسِ فِي كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّتَيْنِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيْسِ فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ مُّؤْمِنٍ اِلَّا عَبْدًا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اَخِيْهِ شَحْنَاءُ فَيُقَالُ اُتْرُكُوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا۔ (مسلم عن ابی ہریرۃ' مشکوۃ ۴۲۸)

''لوگوں کے اعمال ہفتہ میں دو دن پیر اور جمعرات کو پیش ہوتے ہیں اور ہر بندہ مومن کو بخش دیا جاتا ہے سوائے اس کے کہ جس کی اپنے مسلمان بھائی سے کوئی عداوت ہو۔ کہا جاتا ہے کہ ان کو کچھ دن کے لئے چھوڑ دو تاکہ یہ آپس میں صلح کریں۔''

جو شخص تین دن تک اپنے بھائی کو چھوڑے رکھے۔ اس کے بارے میں آپؐ نے فرمایا کہ:

لَايَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَّهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ فَمَنْ هَجَرَ فَوْقَ ثَلَاثٍ فَمَاتَ دَخَلَ النَّارَ۔ (احمد و ابوداؤد عن ابی ہریرہ' مشکوۃ ۴۲۸)

''کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ کے لئے چھوڑ دے جو شخص تین دن سے زیاہ الگ رہا اور اس عرصہ میں مرگیا تو وہ دوزخ میں جائے گا۔''

اور یہ بھی فرمایا:

وَمَنْ هَجَرَ اَخَاهُ سَنَةً فَهُوَ كَسَفْكِ دَمِهٖ۔ (ابی داؤد عن ابی ہریرہ فراش سلمی' مشکوۃ)

''جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو ایک سال کے لئے ترک کردے تو وہ ایسا ہے جیسا کہ اس نے اس کا خون بہایا (یعنی اتنا گناہ ہوگا)''

اس سلسلہ میں ایک صورت حال یہ ہو سکتی ہے کہ ایک فریق نے اصلاح حال کی ہ

کوشش کر کے ترک تعلق کیا ہو یا یہ کہ جھگڑے میں وہ حق پر ہو۔ اس صورت میں عقلاً اور شرعاً اس پر کوئی گناہ عاید نہیں ہوتا۔ لیکن اس صورت میں بھی اس کی ترغیب دی گئی ہے کہ وسیع القلبی سے کام لیتے ہوئے اپنے بھائی کو معاف کر دیا جائے اور حق پر ہوتے ہوئے بھی نزاع ترک کر دی جائے رسول اللہ ﷺ ایک حدیث میں ترک نزاع کی ترغیب اس طرح دیتے ہیں۔

مَنْ تَرَکَ الْمَرْءَ وَهُوَ عَلٰی حَقٍّ بُنِیَ لَهُ بَیْتٌ فِی وَسَطِ الْجَنَّةِ وَمَنْ حَسَّنَ خُلُقَهُ بُنِیَ لَهُ فِی أَعْلَاهَا۔ (ترمذی، عن انس مشکوٰۃ ۴۱۲)

"جس نے نزاع اور جھگڑا ترک کر دیا اس کے لئے جنت کے وسط میں ایک محل بنایا جاتا ہے اور جس نے اپنا اخلاق بہتر بنایا اس کے لئے جنت کی بلندیوں پر محل بنایا جاتا ہے۔"

ظاہر ہے کہ حسن اخلاق کی انتہائی اعلیٰ منزل عفو ہے جس کے بدلے انسان جنت کی اعلیٰ ترین بلندی پر جگہ کا مستحق قرار پائے گا۔

صلح کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمان بھائی اور مسلمان معاشرہ کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ دو بھائیوں کے درمیان تعلقات پر نگاہ رکھے اور جہاں خرابی محسوس ہو اس کی اصلاح کر دے اس لئے کہ اصلاح پر ہی تعلقات کا انحصار ہے اور یہ تعلقات ہی معاشرہ کی زندگی اور روح ہے۔ قرآن نے اس اصلاح کا حکم یوں دیا ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ (حجرات ۱۰)

"اور زیادتی کرنے والے فریق سے لڑائی تک کی بھی ہدایت کی ہے۔"

رسول اللہؐ نے ایک دفعہ صحابہؓ سے پوچھا۔ "میں تمہیں وہ عمل بتاؤں جس کا ثواب درجہ میں روزہ، صدقہ، نماز کے ثواب سے زیادہ ہے؟" صحابہ نے کہا "ہاں یارسول اللہ ضرور بتایئے۔" فرمایا:

اِصْلَاحُ ذَاتَ الْبَیْنِ وَفَسَادُ ذَاتَ الْبَیْنِ ھِیَ الْحَالِقَۃُ (ابوداود، ترمذی، عن ابی الدرداء ۴۲۸)

"لوگوں کے درمیان (تعلقات کی) اصلاح کرنا۔ اور لوگوں کے درمیان تعلقات میں خرابی ڈالنا دین کو مونڈ ڈالنا ہے۔

اور اس سلسلہ میں مزید فرمایا حالانکہ جھوٹ کے بارے میں اسلام کی روش بڑی سخت ہے کہ:

لَیْسَ الْکَذَّابُ الَّذِیْ یُصْلِحُ بَیْنَ النَّاسِ وَیَقُوْلُ خَیْرًا وَیَنْمِیْ خَیْرًا۔ (بخاری، مسلم، عن ام کلثوم۔ مشکوۃ ۴۲۸)

"وہ شخص جھوٹا نہیں جو لوگوں کے درمیان صلح کرائے اور بھلی بات کہے یا بھلی بات پہنچائے۔"

یعنی ایک طرف سے دوسری طرف ایسے اچھے جذبات منتقل کرے جو فی الحقیقت ظاہر نہ کئے گئے ہوں اور جن کا اس طرح منتقل کرنا اصلاح کا سبب بن سکتا ہو۔ اس میں بہتر یہ ہے کہ بات اس انداز میں کی جائے کہ الفاظ میں جھوٹ نہ ہو اور ایک شخص دوسرے کی محبت اور خیر خواہی کا قائل ہو جائے۔

ان ہدایات کی روشنی میں اگر مسلمان خود بھی شکایت کا موقع نہ دیں اور اصلاح کی کوشش کرتے رہیں اور معاشرہ بھی چوکس رہے تو شیطان کو دراندازی کا موقع مشکل ہی سے مل سکتا ہے۔

○------☆☆------○

تتمہ

اخوت، الفت، ولایت اور پیار و محبت کے تعلقات ایمان کی ایک شرط اور اس کا لازمی تقاضا ہیں۔ جتنا مقصد عزیز ہوگا اتنا ایک بھائی کے لئے اپنے بھائی سے اخوت کا تعلق عزیز ہوگا، جب ایک کا دکھ درد، دوسرے کا دکھ درد اور ایک کی تکلیف دوسرے کی تکلیف، ایک کی پریشانی دوسرے کی پریشانی، اور ایک کی خوشی دوسرے کی خوشی بن جائے تو تعلقات ایک پہلو سے اپنے معیار کو پہنچ جاتے ہیں اور جب اس کے ساتھ رحمت بھی پیدا ہوجائے اور دینی خیر خواہی بھی تو پھر تعلقات ہر لحاظ سے معیاری ہوجاتے ہیں اور ایسے تعلقات ہی ایک جماعت اور تحریک کو وہ زندگی اور حرارت بخشتے ہیں جو اس کی کامیابی کی ضامن ہوتی ہے۔ یہ نعمت عظمیٰ جہاں ان تمام شرائط و تدابیر کو ملحوظ رکھنے سے نصیب ہوتی ہے جو خدا اور خدا کے رسول ﷺ نے بتائی ہیں وہاں اس کے لئے توفیق الٰہی بھی ضروری ہے اس لئے کہ یہ خاص عطیہ ربانی ہے پس تدابیر کے ساتھ اپنے رب سے گڑگڑا کر التجا کرنی چاہئے کہ وہ ان تعلقات کو خرابی سے محفوظ رکھے اور ان میں الفت و محبت پیدا کرے۔

"وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ۔" (انفال ۶۳)

"رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔" (الحشر ۱۰)

○-----☆☆-----○